ہفت روزہ

# احوال

کراچی

۵ تا ۱۱ اپریل ۹۰ء

کشمیر پاکستان کا حصہ ہے

کشمیر بھارت کا حصہ ہے؟



## عوام کی قربانیاں اور حکومت کی شاہ خرچیاں

ضیاء الحق کی نادانی
عورت کی حکمرانی

جے یو پی کے خلاف
منصوبہ سازش براہ راست نواز شریف

چیف ایگزیکٹو: محمد احمد صدیقی — مدیر اعلیٰ: ابوجنید


○ اداریہ ۵
○ منصورہ سازش بماسبت نواز شریف۔ (ایک مبصر کے قلم سے) ۶
○ ضیاء الحق کی نادانی عورت کی حکمرانی۔ (ڈاکٹر طلحہ صدیقی) ۱۲
○ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔ (راؤ توفیق احمد) ۱۶
○ آٹھویں ترمیم کے ذریعہ ضیاء الحق کے مقاصد۔ (محمد بشیر) ۲۰
○ رمضان المبارک، احادیث مبارکہ کی روشنی میں۔ (اقبال احمد اختر القادری) ۲۳
○ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ (کلیم چغتائی) ۳۸
○ مورد مجاذ آزادی۔ (عباس احمد آزاد) ۴۳
○ ٹی وی تبصرہ۔ (تابندہ لاری) ۴۷
○ رنگِ احوال۔ (ایم۔ اے۔ ساجد) ۴۹




**زرِ تعاون سالانہ**

| ملک | رقم | کرنسی |
|---|---|---|
| پاکستان | ۳۰۰ | روپے |
| سعودی عرب | ۲۰۰ | ریال |
| متحدہ عرب امارات | ۲۰۰ | درہم |
| بھارت و بنگلہ دیش | ۴۵ | امریکی ڈالر |
| افریقہ و ایشیاء | ۵۰ | امریکی ڈالر |
| یورپ | ۵۵ | امریکی ڈالر |
| امریکہ و آسٹریلیا | ۶۰ | امریکی ڈالر |

زرِ تعاون پاکستانی کرنسی میں کسی ایسے بنک کی معرفت ارسال فرمائیں جس کی کراچی میں برانچ ہو۔


**دفترِ رابطہ**

۶۱۲ یونی شاپنگ سینٹر
ریجنسی مال عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی
فون، ۵۱۲۷۷۵



پبلشر محمد احمد صدیقی نے الوزیبلی کیشنز کے تحت فخر خشاں پریس کراچی سے چھپوا کر ۶۱۲ یونی شاپنگ سینٹر ریجنسی مال، شاہراہ عراق صدر کراچی سے شائع کیا

کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔ ہاں اصل نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے۔ رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔ اور نماز قائم رکھے۔ اور زکوٰۃ دے۔ اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں۔ جنھوں نے اپنی بات سچی کی۔ اور یہی پرہیزگار ہیں۔

سورۂ البقرۃ - آیت - ۱۷۷

(کنز الایمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ مال گنجے سانپ کی صورت میں کردیا جائے گا۔ جس کے سر پر دو چتیاں ہوں گی۔ وہ سانپ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔ پھر اس کی باچھیں پکڑے گا۔ اور کہے گا۔ میں تیرا مال ہوں۔ میں تیرا خزانہ ہوں۔

امام احمد نے بروایت ثقات انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ نکال۔ کہ وہ پاک کرنے والی ہے۔ تجھے پاک کردے گی اور رشتہ داروں سے سلوک کر اور مسکین اور پڑوسی اور سائل کا حق پہچان۔

(صحیح بخاری)

# عوام کی قربانیاں اور حکومت کی شاہ خرچیاں

ایک مبصر کے قلم سے

# منصورہ سازش براستہ نواز شریف

**متحدہ جمہوری محاذ کی تحریک کو سبوتاژ کر کے جماعت اسلامی نے دوسری مرتبہ سوشلسٹ نظام کو تقویت پہنچائی۔**

**انہوں نے "شرم کا پانی نہیں پیا" البتہ گھاٹ گھاٹ کا پانی ضرور پیا ہے۔**

**جماعت اسلامی**

**۱۹۷۰ء کی انتخابی شکست کا زخم آج بھی چاٹ رہی ہے۔**

جمیعت علمائے پاکستان کے زیر اہتمام ملتان میں ہونے والا ملک گیر خادمین کنونشن نہ صرف "عددی" اعتبار سے عظیم الشان تھا بلکہ جذبۂ ایمانی اور عشقِ مصطفٰی ؐ کا مظہر بھی تھا۔ یہ کنونشن جمیعت کی تاریخ میں ایک سنہری باب کا اضافہ کر چکا ہے۔ اس کنونشن کے بعد اہلسنت والجماعت سے وابستہ عوام اپنی رگوں میں تازہ خون محسوس کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اُن میں نیا جوش، نیا ولولہ اور نیا حوصلہ پیدا ہو گیا ہے۔ کارکن اس بات پر بھی فرحت محسوس کر رہے ہیں کہ جمیعت کے جسم سے "فسادی خون" کی خود بخود صفائی ہوتی جا رہی ہے اور جمیعت میں صرف ایسے جانثار ہیں جن کی منزل نہ ہی "سینیٹ کی سیٹ" نہ ہی "نوازشات اور عنایتوں" کی خواہش اور نہ ہی "پلاٹوں کی تمنا" اور جنہیں یقین ہے کہ اُن کی اس آرزو کو پورا کرنے کی قائدانہ صلاحیت صرف مولانا شاہ احمد نورانی میں ہے اور اسی لئے انہوں نے ملتان میں قائد اہلسنت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا ہے اور اپنے تعاون کا یقین دلایا ہے۔

ملتان میں جمیعت علمائے پاکستان کے خادمین کے کامیاب کنونشن پر "منصورہ" میں ماتم برپا ہو گیا۔ کوئی دھاڑیں مار رہا ہے تو کوئی سر پیٹ رہا ہے، کوئی گریبان چاک کئے ہے تو کوئی حواس باختہ ہے۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے

پوچھ رہا ہے "ہماری یہ سازش بھی ناکام ہوئی"! "نیازی" کا اغوا بھی کام نہ آیا۔ ہم نے سوچا تھا کہ نیازی کے "اغوا" کے بعد نورانی کو گھر بٹھا دیں گے۔ ہمارا اندازہ غلط نکلا۔ جمیعت کی اصل طاقت تو مولانا شاہ احمد نورانی کے پاس ہے۔ خادمین مولانا شاہ احمد نورانی پر جان چھڑکتے ہیں۔ ہم نے تو نیازی کو اغوا کرنے کے لئے "سو اچوروں" کا سرمایہ پانی کی طرح بہایا لیکن شاہ احمد نورانی یہ "مردِ مومن" "سیاست کے کچھار

میں اب بھی "شیروں" کی طرح گرج رہا ہے۔ جماعت اسلامی کی "لومڑی" جیسی مکارانہ چالیں بھی کچھ کام نہ آئیں۔ تو اب کیا کیا جائے۔ آؤ سر جوڑ کر بیٹھیں۔ کچھ سوچیں کچھ کریں "منصورہ" میں متفقہ فیصلہ ہوا مولانا نورانی کی کردار کشی کرو۔ الزامات لگاؤ، بہتان تراشی کرو۔ "وہ کس طرح؟" بلاؤ اُن "بے ضمیر" صحافیوں کو "منصورہ" نے ان کو خوب دودھ پلایا ہے۔ ضیاء الحق سے اُن کو خوب حرام کھلوایا ہے۔ انہیں ضیاء الحق کے ساتھ بار بار امریکہ کی یاترا کرائی ہے۔ اُن کے جرائد کو بڑی امداد دلائی ہے۔ اندرونِ ملک سے بھی اور کبھی کبھی بیرونِ ملک سے بھی یہ "نمک حرامی" نہیں کریں گے۔ یہ تو جماعت اسلامی کے زر خرید غلام ہیں۔ اب اُن پر بھروسہ کرو، اُن کو ہدایات جاری کرو کہ صحافت میں ذلالت کی آخری سطح پر پہنچ جاؤ۔ یہ ماہر ہیں جھوٹ بولنے میں، مشاق ہیں من گھڑت کہانی گھڑنے میں۔ "نوازشوں" کی تھیلیاں ان پر برساؤ۔ کہہ دو لگ جائیں گھٹیا پن کی صحافت پر۔ "جماعت اسلامی" کے "اشارے" پر گندی صحافت کی بدبو کبھی کراچی سے اُٹھ رہی ہے تو اس کی سڑاند اور بدبو کبھی لاہور کے گلیوں اور کوچوں میں فضا کو مکدر کرتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

جماعت اسلامی کی "زرد صحافت" پسماندگی اور کم ظرفی

کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ جماعت اسلامی کے زر خرید صحافی ضیاء الحق کی قبر کو بیچنے والے صحافی مولانا شاہ احمد نورانی کی کردار کشی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ نہ ان میں اخلاقی قدریں باقی رہ گئیں اور نہ ہی خوف خدا۔ اخلاقی گراوٹ میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ ذاتیات پر اُتر آئے ہیں اور بازاری زبان بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ دراصل "منصورہ" سیاست میں اپنی ناکامی، رسوائی اور بار بار الیکشن میں شکست کے اسباب پر جب غور کرتا ہے تو قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی کی ذات اور اصولی سیاست اُن کے لئے سدِّ راہ بن جاتی ہے۔ "منصورہ" میں طے ہوا کہ مولانا عبدالستار خان نیازی کو کس طرح اغواء کیا جائے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی کو "منصورہ" براستہ نواز شریف تو پہنچا دیا گیا لیکن پھر جماعت اسلامی کی "شاطرانہ اور مکارانہ" چالیں اُن کے کام نہ آئیں۔ جماعت اسلامی نیازی صاحب کو "بابا شریف (نواز شریف کو نیازی صاحب ہمیشہ بابا شریف کہتے تھے) کے حسین زانو پر سُلا کر جماعت اہلسنت کے تار و پود بکھیر دینا چاہتی تھی لیکن اس کو اپنی حماقتوں کا پتہ اس وقت چلا جب ملتان میں جمعیت کے خادمین کا عظیم الشان کنونشن ہوا۔ اُس وقت جماعت کو معلوم ہوا کہ مولانا شاہ احمد نورانی ہی جمعیت کی اصل طاقت ہیں۔ اس کے بعد طے کیا گیا کہ مولانا شاہ احمد نورانی پر رکیک حملے کئے جائیں۔ ان پر من گھڑت الزام لگائے جائیں، بے جا تنقید کی جائے تاکہ عوام اہلسنت میں ان کی مقبولیت کو ٹھیس پہنچے اور جماعت اسلامی کو کھل کھیلنے کا موقع مل سکے۔ ایسی ذہنی پستی صرف صحافت سے ہوتی ہے کہ جو جماعت اسلامی مولانا عبدالستار خان نیازی کو پوچھتے بھی نہیں تھے آج کل اُن کو سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں اور اپنا مطلب نکال رہے ہیں۔

جمعیت علماء پاکستان نے ۱۹۷۰ء میں سیاست میں قدم رکھا۔ جماعت اسلامی کے پاس ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک ۲۳ سال کا طویل عرصہ تھا۔ اس وقت میں دائیں بازو سے تعلق رکھنے والی کوئی سیاسی جماعت ان کے مدمقابل نہیں تھی۔ سیاسی میدان ان کے لئے بالکل صاف تھا۔ وہ اس ملک کو ایک عظیم الشان اسلامی مملکت بنا سکتے تھے لیکن سوائے "فتووں" اور "جوڑ توڑ" کے جماعت اسلامی نے کوئی قابل ذکر کام دکھایا اور نہ پاکستان کے عوام پر کوئی نقش چھوڑا۔ ۱۹۵۱ء کے دوران میں منعقدہ پنجاب اسمبلی کے انتخابات اس بات کے گواہ ہیں کہ جماعت اسلامی کو اس انتخاب میں صرف دو سیٹیں ملی تھیں۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جماعت اسلامی کو پورا یقین

ہم اتحادیوں
کا ساتھ دیتے ہیں
غداروں کا نہیں
——— مولانا نورانی

تھا کہ جماعت کے ٹکٹ سے بڑی تعداد میں کامیاب ہوں گے۔ اُسی زمانہ میں جمعیت علمائے پاکستان بھی سیاسی میدان میں خم ٹھونک کر اتری۔ جماعت اسلامی کو اس قدر غرور تھا کہ اتحاد کرنا تو درکنار بات بھی کرنا توہین سمجھتے تھے۔ مولانا مودودی نے ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو "جنگ کراچی" میں تکبر بھرا ایک بیان دیا تھا کہ "جماعت کے ٹکٹ سے بڑی تعداد میں کامیاب ہوں گے"۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جماعت اسلامی نے مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں مندرجہ ذیل امیدوار کھڑے کئے تھے۔

| مغربی پاکستان | امیدوار |
| --- | --- |
| سندھ | ۱۹ |
| پنجاب | ۴۳ |
| سرحد | ۱۵ |
| بلوچستان | ۲ |
| کل تعداد مغربی پاکستان | ۷۹ |
| " مشرقی پاکستان | ۶۹ |
| کل تعداد | ۱۴۸ |

جبکہ جمعیت علمائے پاکستان جو ایک نوزائیدہ سیاسی جماعت تھی اس نے مغربی پاکستان میں صرف ۴۸ امیدوار انتخابی میدان میں اتارے۔ جماعت اسلامی کو مشرقی پاکستان میں بڑی طرح شکست ہوئی۔ اس کی کامیابی صفر رہی۔ مغربی پاکستان میں جماعت اسلامی کو صرف ۴ سیٹیں ملیں لیکن جمعیت علماء پاکستان کو ۷ سیٹیں ملیں۔ یہی ہے وہ خلش جو آج بھی جماعت اسلامی کو اندر اندر کھائے جا رہی ہے اور یہی ہے شکست کا وہ زخم جو جماعت اسلامی آج بھی چاٹ رہی ہے اور اب اُس کا یہ زخم ناسور بنتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کدورت جو "جماعت اسلامی" عوام اہلسنت سے رکھتی ہے۔ جماعت اسلامی ہر حربہ استعمال کر کے عوام اہلسنت کی طاقت کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ آج کل جماعت اسلامی اور اُن کے جرائد کی جو بھرپور مہم ہے اس میں وہ عوام کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں کہ مولانا شاہ احمد نورانی نے سوشلسٹ قوتوں کو تقویت پہنچائی۔ آئیے ذرا ان حضرات کو ان کے "پرکھوں" اور جماعت اسلامی کے کردار کا آئینہ دکھائیں کہ آیا "منصورہ" کے اُن ٹھیکیداروں نے سوشلسٹ قوتوں کے اقتدار کو تقویت پہنچائی یا مولانا شاہ احمد نورانی نے۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد بعض سیاسی جماعتوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ ملک ٹوٹنے کے بعد انتخابات خود بخود کالعدم ہو گئے ہیں دوبارہ انتخابات کرائے جائیں۔ پروفیسر غفور اور جماعت اسلامی کے اکابرین کے بیانات اب بھی اخبارات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کا منشور کوئی ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ وہ سوشلسٹ نظریہ کے حامی تھے لیکن جماعت اسلامی نے تمام جماعتوں میں سب سے پہلے پیپلز پارٹی کی حمایت کا اعلان کر دیا اور اس طرح پاکستان میں سب سے پہلے جماعت اسلامی نے سوشلسٹ نظریہ کی حکومت کو تقویت پہنچائی حالانکہ بیشتر جماعتوں کا موقف یہ تھا کہ پیپلز پارٹی نے ملک کے دو حصے کئے ہیں اس کو اقتدار میں رہنے کا کوئی جواز نہیں۔ الیکشن دوبارہ کرائے جائیں مگر جماعت اسلامی اپنی شکست سے اتنی زیادہ خوفزدہ تھی۔ اور اس کو یہ گمان ہو گیا تھا کہ اگر دوبارہ الیکشن ہوا تو جماعت اسلامی ان چار سیٹوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گی۔ اس لئے جماعت اسلامی نے چار سیٹوں کے بدلے سوشلسٹ طرز کے نظام کو قبول کر لیا اور ملک میں پہلی مرتبہ سوشلسٹ نظام کی داغ بیل پڑنا شروع ہوئی مگر اس کے برخلاف مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنی ذاتی کوششوں اور ذہانت کی بنا پر پاکستان کے آئین میں لفظ سوشلزم کو داخل تک نہیں ہونے دیا۔ اور اس ملک کو "سوشلسٹ جمہوریہ پاکستان" کی جگہ "اسلامی جمہوریہ پاکستان" قرار دلوایا۔ دیکھا آپ نے اپنے "پرکھوں" کے شاطرانہ چہرہ کو اور مولانا شاہ احمد نورانی کے نورانی چہرہ کو۔

پیپلز پارٹی کی اُس وقت کی حکومت کے جبر و استبداد کے خلاف تمام قومی جماعتوں پر مشتمل متحدہ جمہوری محاذ (یو ڈی ایف) تشکیل پایا تاکہ وہ پیپلز پارٹی کو راہ راست پر رکھے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف تحریک چلی۔ تمام سیاسی جماعتوں نے

ارادے کے مطابق اپنے کارکنوں کو جیل بھیجنے لسٹ درج کروایا۔ جمعیت علماء پاکستان کے صوبائی اسمبلی کے ممبر جناب مولانا محمد حسن حقانی، ملتان کینیڈی اور جمعیت کے سرکردہ لیڈر مولانا جمیل احمد نعیمی جابر اور ظالم حکومت کے خلاف احتجاج کی پاداش میں جیل گئے۔ جب تحریک زور پکڑنے لگی اور عوام میں اس کی پذیرائی ہونے لگی اور بھٹو کی حکومت کو خطرہ لاحق ہوا تو

**جماعت اسلامی کی "زرد صحافت"**

**عوام اہلسنت**

**سے بدلہ لے رہی ہے۔**

یکایک جماعت اسلامی نے تحریک سے غداری کی اور سیلاب کا بہانہ بنا کر اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ میاں طفیل محمد کا بیان آج بھی اخبارات کے ریکارڈ پر موجود ہے: "ہم سیلاب کا کام کریں گے۔" اس طرح جماعت اسلامی نے دوسری مرتبہ سوشلسٹ حکومت کو "تقویت" پہنچائی۔

متحدہ جمہوری محاذ میں جہاں جماعت اسلامی نے سیلاب کا بہانہ بنا کر سوشلسٹ طرز حکومت کو تقویت پہنچائی وہاں ایک بات شاید آپ حضرات کے ذہن سے اتر گئی ہو۔ یاد دلا دیا جائے تاکہ آپ بلاوجہ بہتان طرازی کرنے سے گریز کریں۔ یو۔ ڈی۔ ایف کے دوران جے۔ یو۔ پی نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ضمنی انتخابات میں حصہ لے گی۔ پیپلز پارٹی کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گی۔ لیکن چار شخصوں کے ذریعہ جماعت اسلامی نے ضمنی انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ جبکہ یو پی انتخابات میں حصہ لینے کو ایک مستحکم جمہوری روایت سمجھتی تھی لیکن جماعت اسلامی کا رویہ غیر جمہوری تھا۔ یہ ایک بڑی نادانی اور حماقت کی بات تھی کہ ضمنی انتخابات کا بائیکاٹ کیا جائے اور پی پی پی کو طشتری میں رکھ کر تمام سیٹیں دے دی جائیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعت اسلامی نے اس دوران ضمنی انتخابات کا بائیکاٹ کر کے سوشلسٹ طرز حکومت کو تقویت پہنچائی جبکہ مولانا شاہ احمد نورانی کی حکمت عملی اس کے خلاف تھی۔ جواب دیجئے کہ سوشلسٹ قوتوں کو کون تقویت پہنچا رہا تھا ___ مولانا شاہ احمد نورانی سوشلزم کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹ گئے تھے اور انہوں نے اس کا ہر پلیٹ فارم پر بھرپور مقابلہ کیا ___

متحدہ جمہوری محاذ اور پاکستان قومی اتحاد دونوں کی تشکیل میں علامہ شاہ احمد نورانی کی کاوشوں اور محنتوں کا دخل ہے اور دونوں سے "غداری" کرنے تحریک کو "سبوتاژ" کرنے میں جماعت اسلامی ہی کا ہاتھ ہے۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ جب عوام میں متحدہ جمہوری اتحاد کی پذیرائی ہونے لگی تو جماعت اسلامی نے کس طرح اس تحریک کی پیٹھ میں چھرا گھونپا۔ پاکستان قومی اتحاد سے کس طرح غداری کی اس کا تذکرہ آگے اور برمحل کیا جائے گا۔ فی الحال تو ہم ابھی یہ بحث کر رہے ہیں کہ جماعت اسلامی نے کس طرح "سوشلسٹ قوتوں" کو تقویت پہنچائی اور یہ تو دو مثالیں پیش ہی کی جا چکی ہیں اور جو پیش کی جا رہی ہیں یہ برسبیل تذکرہ ہیں ورنہ تحریک پاکستان سے لیکر تادم تحریر جماعت اسلامی کے ماتھے پر اتنی سیاہی ہے کہ مر کر بھی یہ داغ نہیں دھل سکتا۔

او بے ضمیرو! اور بہتان تراشی کرنے والو! کیا تم نے کبھی سنجیدگی سے سوچا کہ تمہارے اندر بھی کتنے سوراخ ہیں کہ کہیں سچائی کا پانی ٹھہرتا ہی نہیں۔ بہتان تراشی کرنے والو تمہیں تو یاد ہو گا کہ جب مرحوم ذوالفقار علی بھٹو ہندوستان "شملہ معاہدہ" کے سمجھوتے کے لئے جا رہے تھے تو ائیرپورٹ پر ان کو رخصت کرنے کون آیا تھا کس نے ذوالفقار علی بھٹو کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ کس نے بھٹو کی کامیابی کے لئے دعا کی تھی۔ کس نے سوشلسٹ طرز نظام کے حامی کو تقویت پہنچائی تھی۔ آپ کو تو یاد ہو گا۔ اگر نہ یاد ہو تو ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں۔ یہ تھے "میاں طفیل محمد" امیر جماعت اسلامی۔ اب تو آپ کو یقین آ گیا ہو گا کہ جماعت اسلامی نے سوشلزم طرز نظام کے لئے کس طرح راستہ ہموار کیا۔ نہیں تم ہٹ دھرم ہو۔ ابھی تمہیں اور مثالیں چاہئیں اور اگر مزید حقیقتیں درکار ہیں تو سنو!

جونیجو کی برطرفی کے بعد "کلفٹن ہاؤس" میں بے نظیر سے ملاقات کرنے کون گیا تھا۔ کچھ آیا یاد آپ کو، یہ تھے جماعت اسلامی کے پروفیسر غفور احمد" اور یہ ملاقات انہوں نے بے نظیر سے پی پی پی کے چیئرمین کی حیثیت سے کی تھی۔ اور مفاہمت کے لئے درخواست کی تھی۔ پیپلز پارٹی سے اشتراک کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ بے ضمیرو! زرخرید غلامو! بکاؤ مالو آیا تمہاری کچھ سمجھ میں۔ یہ بھی جماعت اسلامی کی ایک کوشش تھی سوشلسٹ طرز حکومت کو تقویت پہنچانے کی۔

۱۹۸۸ء کے انتخابات کے وقت جماعت اسلامی پیپلز پارٹی سے پینگیں بڑھانے کے لئے سرتوڑ کوشش کرتی رہی۔ جماعت اسلامی کے نائب امیر پروفیسر غفور احمد نے ۳ اگست ۱۹۸۸ء کو ملتان میں پاکستان کونسل برائے حقوق کے زیر اہتمام استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے سوشلسٹ طرز حکومت کو تقویت پہنچانے کے لئے کہا.... "پاکستان پیپلز پارٹی اور جماعت اسلامی میں مفاہمت کے لئے مذاکرات ہوئے چنانچہ

**۱۹۷۱ء میں وطن عزیز میں**

**جماعت اسلامی نے سوشلسٹ نظام**

**کو پہلی مرتبہ**

**تقویت پہنچائی۔**

بعض حلقوں کو اس امر پر حیرت ہے کہ زمین اور آسمان کیسے ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ حالانکہ ہم پہلے بھی ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہے ہیں...."

اب تو تمہاری گردن کچھ شرم سے شاید جھک رہی ہو۔ اب تو پروفیسر غفور نے بھی اقرار کر لیا کہ جماعت اسلامی پیپلز پارٹی سے تعاون کرتی رہی ہے۔ اور سوشلسٹ نظام حکومت کو تقویت پہنچا رہی ہے۔" نہیں تم بڑے ڈھیٹ ہو۔ اب بھی تم کو شرم نہیں آئی تو لو پھر اور سنو!

۱۰ اگست ۱۹۸۸ء کو امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد نے اپنے ایک بیان میں اعتراف کیا ہے کہ "دوسری جماعتوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے پیپلز پارٹی سے بھی رابطہ قائم کیا ہے" امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد نے بلا جھجک اس بات کا اعتراف کر لیا کہ ان کا رابطہ پیپلز پارٹی سے ہے اور آپ کو تو یہ معلوم تھا کہ پیپلز پارٹی جب اقتدار میں آئے گی تو سوشلسٹ نظام لائے گی تو پھر ان سے تعاون کرنے اور رابطہ قائم کرنے سے کیا مقصد، کیا یہ حقیقت نہیں کہ در پردہ آپ سوشلسٹ نظام حکومت کو تقویت پہنچا رہے تھے اور الزام تراشی دوسروں پر کر رہے ہیں۔

محترم بے ضمیرو! یہ تو چند مثالیں ہیں جو ہم نے آپ کی یاد دہانی کے لئے پیش کر دیں۔ اگر دعوت دو گے تو پھر بانی جماعت اسلامی کے ان تمام پہلوؤں

**پیغام رسانی کا کام "ماموں" کرتے تھے اور پلاننگ کا کام "بھانجے"**

سے بھی تم کو روشناس کرا دیں گے جو انہوں نے جوش ملیح آبادی کے پرانے لنگوٹیا یار رہتے ہوئے حیدر آباد میں حسین اور دلفریب راتیں گزاریں اور جن کا تذکرہ "جوش محبت" میں آکر جوش نے "یادوں کی بارات" میں رقم کیا ہے — کیوں دوسروں پر بلا وجہ کیچڑ اچھالتے ہو، کیوں اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ کچھ تو خوف خدا کرو، کچھ تو غضب الٰہی سے ڈرو۔ مت کرو کسی کی کردار کشی، مت کرو بہتان طرازی، مت گھڑو "فرضی قصے" تمہارا تعلق ایک باوقار پیشہ سے ہے صحافت کو تجارت مت بناؤ "قلم" کی عزت کرو۔ قلم کو مت بیچو۔

۱۹۷۷ء میں مولانا شاہ احمد نورانی کی دن رات کوششوں کے نتیجے میں "پاکستان قومی اتحاد" وجود میں آیا۔ اجلاس لاہور میں رفیق احمد باجوہ کے مکان کی بالائی منزل میں منعقد ہوا اتحاد کا پورے ملک میں بہت خیر مقدم کیا گیا۔ عوام اس کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے۔ "پاکستان قومی اتحاد" نے پیپلز پارٹی کی حکومت کو چیلنج کر دیا۔ عوام نے اس کے لئے زبردست قربانیاں دیں۔ ہزاروں لوگ شہید ہو گئے۔ کراچی نشتر پارک میں قومی اتحاد کے رہنماؤں نے نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ایک قالب اور ایک جان رہنے کی قسم کھائی تھی لیکن جماعت اسلامی نے اندرونی سازش کے ذریعہ قومی اتحاد اور حکومت کے درمیان معاہدہ نہیں ہونے دیا ان کی پہلی سازش تو اس وقت بے نقاب ہوئی جب انہوں نے "باجوہ" کے ساتھ دغا بازی اور مکاری سے کام لیا خفیہ طور پر باجوہ کو آمادہ کیا کہ وہ بھٹو سے مذاکرات کریں اور پھر ان کو اس طرح جال میں پھنسایا کہ ان کو قومی اتحاد کے جنرل سیکرٹری کے عہدہ سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یہ سب مکارانہ چالیں "پروفیسر غفور احمد" کو قومی اتحاد کا سیکرٹری جنرل بنانے کے لئے چلی گئیں تھیں۔ باجوہ صاحب کو بھٹو سے مذاکرات پر مجبور کرنا "منصورہ" اور "مودودی" کا گٹھ جوڑ تھا۔ جس کا انکشاف رفیق احمد باجوہ نے خود کیا ہے کہ وقت آنے پر میں بتاؤں گا کہ میں نے کس کی ہدایت پر یہ کام کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت علمائے پاکستان نے رفیق احمد باجوہ کا فوری طور پر اخراج کر دیا۔ باجوہ نے بھٹو مذاکرات میں "منصورہ اور مودودی پلان" کو اپنی پارٹی کے سربراہوں سے خفیہ رکھا۔ اور جس کی سزا وہ آج تک بھگت رہے ہیں۔

قارئین سوال کر سکتے ہیں کہ آخر اس بات کا کیا جواز تھا کہ جماعت اسلامی "باجوہ" کو بھٹو سے مذاکرات کرنے کا "پلان" بنائے اور پھر خود ہی ان کے خلاف سازش کرے لے۔ اس وقت تو شاید پاکستان کے عوام کو اس بات کا یقین نہ آتا کہ جماعت اسلامی بھی ایسی گندی اور گری ہوئی حرکت کر سکتی ہے لیکن بعد کے واقعات نے ان کی اس گری ہوئی اور پست ذہنیت کو ثابت کر دیا کہ اگر جماعت اسلامی ایسا نہ کرتی تو "اسلام آباد" میں کرسی وزارت پر نہ بیٹھتی۔ قومی اتحاد کی تحریک اپنے عروج پر تھی عوام پاکستان نظام مصطفےٰ کے نفاذ کیلئے جام شہادت نوش کر رہے تھے۔ جماعت اسلامی نے عین اس وقت پلان بنایا کہ کس طرح پاکستان قومی اتحاد کی اہم پوسٹ یعنی جنرل سیکرٹری شپ پر قبضہ جمایا جائے۔ باجوہ غریب نے بجائے اپنے قائدین پر اعتماد کرنے کے "منصورہ اور مودودی" پر زیادہ اعتماد کیا اور پاکستان قومی اتحاد کے سیکرٹری جنرل کے عہدہ سے محروم ہو گئے۔ پاکستان قومی اتحاد کی پہلی منزل تحریک کو عروج پر لانا اور "دوم" مذاکرات کے ذریعہ بھٹو کو مجبور کر دینا کہ ملک میں دوبارہ انتخاب کرائیں۔ پاکستان قومی اتحاد کی پہلی منزل جب عروج پر تھی تو ابھی بات یہ تھی کہ "مذاکرات" کا دوسرا مرحلہ شروع ہو اور ہوا بھی یہی ایسی حالت میں جماعت اسلامی کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ وہ مذاکرات کی ٹیبل پر نہ بیٹھے دراصل "مذاکراتی ٹیم" کی نااہلی نہیں تھی کہ "پاکستان قومی اتحاد" اور "حکومت" کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ بلکہ جماعت اسلامی کی مکارانہ چالیں تھیں جس کی وجہ سے مذاکرات ناکام ہوئے۔ پاکستان قومی اتحاد کے اہم عہدہ پر قبضہ کر لینے کے بعد "منصورہ پلان" حرکت میں آگیا۔ مذاکراتی ٹیم کے دیگر ممبران اس بات سے بے خبر تھے کہ اس پوری تحریک کو "سبوتاژ" کرنے کے لئے "ماموں اور بھانجے" یعنی "میاں طفیل احمد اور ضیاء الحق" میں ساز باز ہو چکی تھی۔ "پیغام رسانی" کا کام "ماموں" کرتے تھے اور "پلاننگ" کا کام "بھانجے"۔ ضیاء الحق نے جماعت اسلامی کو اندر ہی اندر اس بات پر قائل کر دیا تھا کہ اگر مذاکرات کامیاب ہو گئے اور انتخابات دوبارہ ہوئے تو "جماعت اسلامی" کو اقتدار کسی صورت نہ مل سکے گا۔ اور یہ طویل راستہ بھی ہے۔ آسان اور مختصر تر راستہ اقتدار

**جماعت اسلامی نے متحدہ قومی محاذ اور پاکستان قومی اتحاد سے غداری کی۔**

پر قبضہ کرنے کا یہ ہے کہ "ہمارے ہو جاؤ" "مارشل لاء" لگاؤ اور "اقتدار" پر قبضہ کر لو — یہ عجیب بات ہے کہ جماعت اسلامی کو جب بھی اقتدار نصیب ہوتا ہے مارشل لاء میں ہی ہوتا ہے مشرقی پاکستان میں بھی وہ مارشل لاء کی بیساکھی تھی اور مغربی پاکستان میں بھی مارشل لاء کی بی ٹیم تھی۔

اقتدار کی ہوس میں جماعت اسلامی نے شہیدوں کے خون سے غداری کی۔ جمعیت علماء پاکستان اور ایئر مارشل اصغر خان کی مخالفت اور قومی اتحاد کے چھوڑنے کی وجہ صرف اس بات پر تھی کہ ہم شہیدوں کے خون سے غداری نہیں کریں گے انہوں نے خون اس لئے نہیں بہایا کہ جماعت اسلامی یا دوسری جماعتوں کو اسلام آباد کا اقتدار مل جائے عوام پاکستان نے نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے تحریک کا ساتھ دیا تھا۔ جمعیت علماء پاکستان نے بجائے اسلام آباد کے رخ کرنے کا عوام کی طرف رخ کیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کا بیان آج بھی اخبارات کے ریکارڈ پر ہے "کہ لیلائے وزارت کے مجنوں تو اسلام آباد گئے ہیں اور ہم اسلام کی طرف ہیں" بہرحال جماعت اسلامی معہ دوسری جماعتوں کے

## "مخبری" کے ڈر سے جماعت اسلامی کو ایم-آر-ڈی میں شامل نہیں کیا گیا۔

اقتدار میں شریک ہوگئی۔ مارشل لاء کی بی ٹیم بنی۔ شہیدوں کے خون سے غداری کی۔ پھر "بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے" ضیاء الحق کا جب "الو" سیدھا ہوگیا تو جماعت اسلامی کو دھکے مار کر "اقتدار" سے علیحدہ کر دیا۔ جماعت اسلامی کوشش کرتی رہی کہ کسی طرح اس کو ایم آر ڈی میں داخلہ مل جائے لیکن دو باتوں کی وجہ سے جماعت اسلامی کو ایم آر ڈی میں داخلہ نہ مل سکا۔ اول تو یہ کہ جماعت اسلامی مارشل لاء کی بی ٹیم بنی رہی اور دوئم بار بار کی غداری سے سیاسی جماعتوں کا اس پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔ جوں ہی جماعت اسلامی کو اسلام آباد سے دھتکارا گیا وہ "سیاست کے میدان میں بھٹکتی رہی لیکن اس کو کوئی ہمنوا نہ مل سکا۔ نہ ہی کسی نے اس کی سنی۔ حالانکہ جماعت اسلامی کے پروفیسر غفور اور بعد میں جماعت اسلامی کے دوسرے رہنماؤں نے ضیاء الحق کے خلاف بیانات دینا شروع کر دیئے اور اس امید پر کہ شاید ان کو ایم آر ڈی میں اب بھی جگہ مل جائے۔ لیکن ایم آر ڈی والوں کو خطرہ لاحق تھا کہ جماعت اسلامی "مخبر" بن کر داخل ہو گی اور ہمارے ایم آر ڈی کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لئے "در پردہ" ضیاء الحق سے اور "ہیڈ کوارٹر" سے رابطہ رکھے گی۔ یہی وہ عدم اعتماد تھا جس کی وجہ سے جماعت اسلامی کو کسی بھی اتحاد میں شامل نہ کیا گیا۔ جماعت اسلامی نے ایک نہیں دو مرتبہ "اتحادیوں" سے غداری کی۔ ایک مرتبہ "قومی جمہوری محاذ" سے اور "دوسری" مرتبہ "پاکستان قومی اتحاد" سے جماعت اسلامی کی یہ خواہش تھی کہ اقتدار کی محرومی کے بعد اس کو سیاسی جماعتوں سے سہارا مل جائے کچھ نہیں تو اسلام کے نام پر ہی لوگ جمع ہو جائیں لیکن دوسری سیاسی جماعتوں نے جماعت اسلامی پر اب بھروسہ نہیں کیا جماعت اسلامی نے جمعیت علماء پاکستان کے قائد مولانا شاہ احمد نورانی سے بھی رابطہ کیا انہوں نے بھی ان پر اعتبار نہیں کیا بس اب کیا تھا جماعت اسلامی کی پوری گٹر صحافت مولانا شاہ احمد نورانی کے خلاف "ابل" پڑی۔ جماعت اسلامی کو ہمیشہ یہ قلق رہے گا کہ مولانا شاہ احمد نورانی نے "جماعت اسلامی کی غداری" کو تحفظ کیوں نہیں دیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کا کہنا ہے "ہم اتحادیوں کا ساتھ دیتے ہیں غداروں کا نہیں" جماعت اسلامی اور ان کے کارندوں کا یہ بہتان سراسر غلط ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی نے دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں سے اتحاد نہیں کیا مولانا شاہ احمد نورانی کی کوششیں تمام سیاسی جماعتوں کے اتحاد کے لئے اظہر من الشمس ہیں قومی جمہوری محاذ بھی مولانا شاہ احمد نورانی کی کوششوں کا نتیجہ تھا اور پاکستان قومی اتحاد بھی ان ہی کی کاوشوں سے بنا تھا۔ لیکن دونوں اتحادوں کے ساتھ جماعت اسلامی نے غداری کی تو پھر اس کو شرم کیوں نہیں آئی۔ وہ الزام تراشی کیوں کرتی ہے دراصل یہ ہے ہی "بے شرم" ان کے پاس "شرم کہاں" انہوں نے "شرم کا پانی نہیں پیا" "البتہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔"

مولانا شاہ احمد نورانی پر آپ نے بلاوجہ یہ اعتراض کر ڈالا کہ انہوں نے اصغر خاں جو کہ سیکولر ذہن کے مالک ہیں اُن سے اتحاد کر ڈالا۔ دراصل آپ کی "ہیر پھیر" نے آپ کی "قوت حافظہ" کو کمزور کر دیا ہے۔ ورنہ آپ یہ الزام تراشی نہ کرتے۔ ذرا آپ وہاں سے سفر کا آغاز کریں جہاں آپ کو رسوائی ہوئی تھی۔ ۱۹۷۰ء میں جب جماعت اسلامی کو بری طرح سے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ۲۳ سال کی محنت شاقہ کے بعد جماعت اسلامی کو حرف بہ حرف شکست ملنا اس کے منہ پر عوام کی طرف سے ایک زناٹے دار "طمانچہ تھا۔ مولانا مودودی اور تحریک اسلامی کا بھرم کھل چکا تھا۔ چنانچہ اسمبلی میں بھی یہی حال رہا۔ جے۔ یو۔ پی کے پارلیمانی لیڈر مولانا شاہ احمد نورانی کو "حزب اختلاف" اور

"حزب اقتدار" دونوں کا "احترام" ملا۔ جبکہ جماعت کو ایک قلیل گروہ کی حیثیت دی گئی۔ اسمبلی کے اندر موجود "حزب اختلاف" کا ایک گروہ تشکیل دیا گیا جس کے صدر خان عبدالولی خان اور جنرل سیکریٹری مولانا شاہ احمد نورانی ہوئے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی نے خان عبدالولی خان جیسے کٹر سوشلسٹ اور سیکولر سیاستدان کی صدارت کیسے قبول کر لی جبکہ جماعت ہمیشہ اسلام کا ڈھنڈورا پیٹتی رہی ہے دیکھا آپ نے جماعت اسلامی کی "دوغلی پالیسی"، آپ الزام تراشی کرتے ہیں کہ اصغر خان سیکولر ہیں۔ اصغر خان اگر سیکولر ہیں تو کیا خان عبدالولی خان کوئی مذہبی رہنما ہیں، اصغر خان میں اور ولی خان میں فرق یہ ہے کہ بالتدوا ای الذاہب شمولیت اختیار کرتے وقت اصغر خان نے نظام مصطفےٰ کے نفاذ کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔ پاکستان کے تقریباً تمام اخبارات اور رسائل اس بات کے گواہ ہیں کہ ۱۹۷۰ء سے لے کر ۱۹۷۷ء تک اسلامی جماعتوں کے درمیان جتنے بھی اتحاد ہوئے ہیں وہ جے یو پی ہی کی سعی کا نتیجہ ہیں، متحدہ جمہوری محاذ کی تشکیل کے دوران مولانا شاہ احمد نورانی کی کاوشوں کو کون نہیں جانتا۔ پاکستان قومی اتحاد کی تشکیل میں بھی مولانا ہی کی کوششوں کا دخل ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے ہمیشہ اسلام پسند جماعتوں کا ساتھ دیا ہے لیکن مذہبی جماعتوں میں سے خصوصاً جماعت اسلامی نے ہر جگہ غداری کی اور مطلب نکل جانے کے بعد جمعیت علماء پاکستان کو تنہا چھوڑ دیا۔

سیاست کی منڈی میں جماعت اسلامی بار بار بکی اور ہر بار اس کی بولی پہلے سے کم لگی۔ ہر مرتبہ بکنے کے بعد جماعت اسلامی یہ چاہتی ہے کہ وہ ایک نیا اتحاد قائم کرے۔ تاکہ اس کو پھر سے سیاسی قوت حاصل ہو سکے۔ بڑے غور و خوص کے بعد آپ کا موقف یہ ہے کہ چونکہ جمعیت علماء پاکستان اتحاد میں شامل نہیں ہوئی۔ اس لئے اسلامی قوتوں کو شکست ہوئی محترم عوام نے سن لیں "اسلامی قوتوں کو نہیں" "بلکہ" ضیاء الحق کی غلاظتوں کو شکست ہوئی ہے یا یوں کہئے ضیاء الحق کی باقیات نے جمعیت علماء پاکستان کی پندرہ سولہ سیٹوں کا نقصان کیا ہے اگر آپ کی خواہش ہوگی تو اعداد و شمار بھی پیش کر دیا جائے گا لیکن آپ مکاری سے کیوں کام لیتے ہیں۔ جماعت اسلامی کی دھوکہ بازی تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ پھر بھی آپ الزام تراشی سے باز نہیں آتے۔ جماعت اسلامی کے طرز عمل سے بیچارے جونیجو آج تک پشیمان ہیں۔ جونیجو نے تو بڑی کوشش کی کہ پاکستان عوامی اتحاد سے بھی اتحاد ہو جائے۔ لیکن قاضی حسین احمد نے جو شرط رکھی وہ بھی آپ کو معلوم ہے قاضی حسین احمد نے جمعیت علماء پاکستان سے اتحاد پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ خاصے برہم بھی ہوئے تھے اور انہوں نے اتحاد کی شرائط کی جو پیش کش کی تھی وہ صرف یہی تو تھی کہ اگر پاکستان عوامی اتحاد کو شامل کیا گیا تو آئی جے آئی کی طرف سے اس کو صرف دو سیٹ دی جائیں گی ایک مولانا شاہ احمد نورانی کو اور دوسری اصغر خان کو آئی جے آئی کو جمعیت علماء پاکستان کی قوت کا اندازہ اس وقت پتہ چلا جب انتخابی نتائج سامنے آئے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ بھی جماعت اسلامی کی سازش تھی اور در پردہ انہوں نے سوشلسٹ قوتوں کا ساتھ دیا تھا۔ جمعیت علماء پاکستان کی مخالفت کر کے اور اس کو "اتحاد" میں شامل نہ کر کے جماعت اسلامی نے پیپلز پارٹی کے لئے کھلا میدان چھوڑ دیا۔ اور اب جماعت اسلامی اور اس کے

کارنامہ ہے مگر مجھ کو اتنا یاد ہے کہ جب خاکسار پارٹی کے قائد خان اشرف نے اس سلسلہ میں ہفت روزہ "ندا" کو تفصیلی انٹرویو دیا ہے اور اندر کی پول کھول دی ہے کہ جماعت اسلامی نے ہی مخالفت کرکے جمعیت علماء پاکستان کو اتحاد میں شامل نہیں ہونے دیا ورنہ ہم کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ بھی جماعت اسلامی کی بہت بڑی سازش تھی اور درون پردہ پیپلز پارٹی کی کامیابی کے لئے راستہ ہموار کر رہی تھی۔

جماعت اسلامی کے "پالتوؤں" کا یہ بھی الزام ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی ایک طویل عرصے سے جمعیت کے صدر ہیں۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ جس دستور کے تحت مولانا عبدالستار خان نیازی جمعیت علماء پاکستان کے جنرل سیکریٹری رہے اس دستور کے تحت مولانا شاہ احمد نورانی جمعیت کے صدر رہے مولانا شاہ احمد نورانی کی صدارت سے آپ کی چھاتی کیوں پھٹ رہی ہے۔ جمعیت علماء پاکستان کی مجلس شوریٰ کو حق ہے کہ وہ اپنے دستور میں جمعیت کے بہترین مفادات کے تحت جو کچھ چاہے کرے۔ آپ کو مولانا شاہ احمد نورانی کی صدارت کی بڑی فکر ہے آخر کیوں؟ اس لئے کہ وہ تمہاری سازشوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کی سیاسی بصیرت کے سامنے تم "بونے" نظر آتے ہو۔ اگر ملک بھر کے خادمین مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار خان نیازی کو بذریعہ انتخابات صدر اور سیکریٹری کے عہدے کیلئے منتخب کرتے ہیں تو تمہیں کیوں قلق ہوتا ہے کیا تمہیں مولانا مودودی کی جماعت اسلامی کا دور نہیں یاد رہا۔ مولانا مودودی ایک طویل عرصہ تک جماعت اسلامی کے 'امیر' رہے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں شکست کے بعد نوجوانوں کے ایک طبقہ نے مولانا مودودی کے خلاف تحریک چلائی اور مولانا مودودی کو جماعت کی امیری سے علیحدہ کرکے اچھرہ کی "اسیری" میں ڈال دیا۔ مولانا مودودی کو سیاست کا بہت فہم تھا۔ اور انہوں نے "منصورہ" جانا چھوڑ دیا۔ زندگی بھر پھر وہ منصورہ نہیں گئے۔ اچھرہ ہی میں قیام کیا انتقال کے بعد جماعت اسلامی کے اس وقت کے امیر میاں طفیل محمد اور دیگر حضرات نے چاہا کہ مولانا مودودی کو "منصورہ" میں دفن کیا جائے لیکن مولانا مودودی کی بیگم اور ان کے صاحبزادے نے سختی سے اس کی مخالفت کی اور ان کو اچھرہ ہی میں دفن کیا اور یہ اخباری بیان دیا ہم میاں طفیل محمد اور جماعت اسلامی کے رہنماؤں کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ مولانا مودودی کو "منصورہ" میں دفن کریں اور "مودودی کے قبر کی کمائی کھائیں"۔ خیر یہ تو آپ کے گھر کا معاملہ ہے ہمیں اس سے کوئی سروکار [illegible] بات ہو رہی تھی مولانا شاہ احمد نورانی کی صدارت

## مودودی کی قبر کی کمائی میاں طفیل محمد کو نہیں کھانے دوں گا۔

کی تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے وہ جمعیت کے دستور کے تحت بذریعہ انتخاب ہر دو سال بعد منتخب ہوتے رہے ہیں مولانا شاہ احمد نورانی جمعیت کے خادمین کے ہر دلعزیز صدر ہیں آپ کی معلومات کے لئے ہم یہ بھی آپ کو بتا دیں کہ کئی مرتبہ انہوں نے صدارت چھوڑنی چاہی لیکن خادمین نے انہیں نہیں چھوڑا اور نہ وہ انہیں چھوڑیں گے چاہے آپ کتنے ہی جل کھائیں۔

آپ نے بے بنیاد الزام لگایا ہے کہ قمر الدین سیالوی اور پیر کرم شاہ صاحب مولانا شاہ احمد نورانی کی وجہ سے جمعیت سے مستعفی ہو گئے۔ محترم "بے پر کی اڑانے والو" یہ اطلاعات بھی آپ کی غلط ہے اور یہ بھی آپ کی بہتان تراشی ہے، مولانا قمر الدین سیالوی صاحب بوجہ علالت مستعفی ہوئے جبکہ پیر کرم شاہ صاحب جمعیت کے مجلس عاملہ کے رکن اور شعبہ تعلیم و تربیت کے چیئرمین تھے میلاد مصطفیٰ رائے ونڈ کانفرنس کے بعد ضیاء الحق نے ان کو شریعت کورٹ کا جج مقرر کیا اور جمعیت علماء پاکستان چھوڑ کر خود بخود چلے گئے مولانا مفتی محمد حسن نعیمی باضابطہ جمعیت علماء پاکستان کے کبھی رکن نہیں رہے۔ البتہ جب ضیاء الحق سے سودے بازی کرنا ہوتی تھی تو کبھی کبھار ان کو ڈرانے کے لئے جمعیت کا نام خود بخود استعمال کر لیا کرتے تھے۔ باقی ان منافقین اور غداروں کا ذکر کرنا بے سود ہے جو جمعیت کو چھوڑ کر ضیاء الحق کے مجلس شوریٰ کے رکن بنے غیر جماعتی انتخاب میں حصہ لیا (محترم یہ جمعیت کے "بھگوڑے" ہیں) جن سے آپ کی صف اول کی قیادت بھی شکست کھا گئی، وزارتیں حاصل کیں۔ دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹی۔ مولانا عبدالستار خان نیازی نے ان کو اس جرم کے پاداش میں مجلس شوریٰ سے اجازت حاصل کرنے کے بعد جمعیت سے خارج کر دیا۔ ویسے لوگوں کا کسی جماعت سے نکل جانا کوئی نئی بات نہیں ۱۹۵۶ء میں "ماچھی گوٹھ" میں جماعت اسلامی کا منعقدہ اجلاس سخت افراتفری کی نظر ہو گیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر مستنصر اور ارشاد احمد حقانی ان کثیر افراد میں سے چند تھے جو مولانا مودودی کی آمریت اور دوغلی پالیسی کے سبب جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اس کے بعد جماعت اسلامی پر مزید زوال اس وقت آیا جب مولانا کوثر نیازی نے مودودی صاحب کی منافقت سے تنگ آکر جماعت کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ ہر سیاسی جماعت میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ سیاسی جماعت ایک سمندر کی طرح ہوتی ہے۔ زہریلے جانور بھی ہوتے ہیں لعل و گوہر کے خزانے بھی ہوتے ہیں۔ جس کی منزل جہاں تک ہوتی ہے وہیں تک چل سکتا ہے۔ کوئی قومی اسمبلی کے ممبری تک کوئی اسلام آباد تک تو کوئی اسلام تک۔

۱۹۷۸ء میں رجسٹریشن کا قانون نافذ ہوا۔ جس کی رو سے سیاسی جماعتوں کو الیکشن کمشنر کے دفتر میں رجسٹرڈ کرانا تھا۔ پی این اے نے اتفاق رائے سے طے کیا کہ وہ رجسٹرڈ نہیں کرائیں گی۔ لیکن جماعت اسلامی نے اپنے تمام ساتھیوں کو دھوکہ دیا۔ جماعت اسلامی نے مدت ختم ہونے سے پہلے یعنی دو تین دن سے پہلے اپنی جماعت کو رجسٹرڈ کروا لیا اور اپنے تمام ساتھیوں سے مخفی رکھا۔ جس پر بعد میں نوابزادہ نصر اللہ خان، مفتی محمود اور دیگر لوگوں نے جماعت اسلامی کی بڑی لے دے کی۔

جماعت اسلامی کے کارندوں کو ہمارا یہی مشورہ ہے کہ اتہام بازی اور دشنام طرازی سے باز آجائیں پہلے جماعت اسلامی کے کرتوتوں پر نظر ڈالیں اور پھر دوسروں پر انگلی اٹھائیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی کے بارے میں یہ بے بنیاد پروپیگنڈہ کیوں تراش رہے ہیں کہ وہ عورت کی غیر شرعی حکومت کی حمایت کر رہے ہیں، جہاں تک مولانا شاہ احمد نورانی کا تعلق ہے ۱۹۷۱ء میں یحییٰ خان سے ان کی ملاقات ہوئی، ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۷ء کے دوران ذوالفقار علی بھٹو سے کئی ملاقاتیں ہوئیں — آپ کے مربی ضیاء الحق سے بھی مولانا شاہ احمد نورانی کی کئی بار ملاقات ہوئی، جونیجو کی آل پارٹیز کانفرنس میں مولانا نے شرکت کی۔ اسی طرح بے نظیر نے جب کشمیر کے مسئلہ پر کانفرنس بلائی مولانا شاہ احمد نورانی

باقی صفحہ ۵۰ پر

کا نسے مارکہ بچھے کئے منتشر ہو رہے ہیں خاکسار پارٹی کے
[illegible] خان اشرف نے اس سلسلہ میں ہفت روزہ "[illegible]" کو
تفصیلی انٹرویو دیا ہے۔ اور شدید پول کھول دیئے کہ جماعت
اسلامی نے ہی مخالفت کر کے جمعیت علماء پاکستان کو تحریک
نجات میں شامل نہیں ہونے دیا ورنہ ہم کو روزانہ [illegible] دیکھنا پڑتا۔ تجزیہ
نگاروں کا کہنا ہے کہ یہی جماعت اسلامی کی بہت بڑی سازش
تھی اور اس کی وجہ سے پیپلز پارٹی کی کامیابی کے لئے راستہ
ہموار کر رہی تھی۔

جماعت اسلامی کے "پالتوؤں" کا یہ بھی الزام ہے کہ
مولانا شاہ احمد نورانی ایک طویل عرصے سے جمعیت کے
صدر ہیں۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ جس دستور کے تحت مولانا
عبد الستار خان نیازی جمعیت علماء پاکستان کے جنرل سیکریٹری
ہیں اسی دستور کے تحت مولانا شاہ احمد نورانی جمعیت کے
صدر ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی صدارت سے آپ کی
چھاتی کیوں پھٹ رہی ہے۔ جمعیت علماء پاکستان کی مجلس
شوریٰ کو حق ہے کہ وہ اپنے دستور میں جمعیت کے بہترین مفادات
کے تحت جو کچھ چاہے کرے۔ آپ کو مولانا شاہ احمد نورانی
کی صدارت کی بڑی فکر ہے آخر کیوں؟ اس لئے کہ وہ تمہاری
سازشوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کی سیاسی بصیرت
کے سامنے تم "بونے" نظر آتے ہو۔ اگر ملک بھر کے خادمین
مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبد الستار خان نیازی کو
بذریعہ انتخابات صدر اور سیکریٹری کے عہدے کیلئے منتخب کرتے ہیں
تو تمہیں کیوں قلق ہوتا ہے کیا تمہیں مولانا مودودی کی جماعت
اسلامی کا دور نہیں یاد رہا۔ مولانا مودودی ایک طویل عرصہ
تک جماعت اسلامی کے امیر رہے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں
شکست کے بعد نوجوانوں کے ایک طبقے نے مولانا مودودی
کے خلاف تحریک چلائی اور مولانا مودودی کو جماعت کی امیری
سے علیحدہ کر کے اچھرہ کی اسیری میں ڈال دیا۔ مولانا مودودی
کو اس بات کا بہت غم تھا۔ اور انہوں نے "منصورہ" جانا
چھوڑ دیا۔ زندگی بھر پھر وہ منصورہ نہیں گئے۔ پھر وہ امریکہ گئے
ان کے مرنے کے بعد جماعت اسلامی کے اس وقت کے امیر میاں طفیل محمد
اور دیگر حضرات نے چاہا کہ مولانا مودودی کو "منصورہ" میں
دفن کیا جائے لیکن مولانا مودودی کی بیگم اور ان کے صاحبزادے
نے سختی سے اس کی مخالفت کی اور ان کو اچھرہ ہی میں دفن کیا
اور یہ اخباری بیان دیا کہ ہم میاں طفیل محمد اور جماعت اسلامی
کے بہی خواہوں کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ مولانا مودودی
کو "منصورہ" میں دفن کریں اور "مودودی کے قبر کی کمائی
کھائیں"۔ یہ تو آپ کے گھر کا معاملہ ہے ہمیں اس سے
کیا سروکار۔ بات ہو رہی تھی مولانا شاہ احمد نورانی کی صدارت

## مودودی کی قبر کی کمائی میاں طفیل محمد کو نہیں کھانے دوں گا۔

کی تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے وہ جمعیت کے دستور کے تحت
بذریعہ انتخاب ہر دو سال بعد منتخب ہوتے رہے ہیں مولانا
شاہ احمد نورانی جمعیت کے خادمین کے ہر دلعزیز صدر ہیں
آپ کی معلومات کے لئے ہم یہ بھی آپ کو بتا دیں کہ کئی مرتبہ
انہوں نے صدارت چھوڑنی چاہی لیکن خادمین نے انہیں
نہیں چھوڑا اور نہ وہ انہیں چھوڑیں گے چاہے آپ کتنے
ہی بل کھائیں۔

آپ نے یہ بے بنیاد الزام لگایا ہے کہ قمر الدین سیالوی
اور پیر کرم شاہ صاحب مولانا شاہ احمد نورانی کی وجہ سے
جمعیت سے مستعفی ہو گئے۔ محترم "بے پر کی اڑانے والے" یہ
اطلاعات بھی آپ کی غلط ہے اور یہ بھی آپ کی بہتان تراشی
ہے۔ مولانا قمر الدین سیالوی صاحب بوجہ علالت مستعفی
ہوئے جبکہ پیر کرم شاہ صاحب جمعیت کے مجلس عاملہ کے
رکن اور شعبہ تعلیم و تربیت کے چیئرمین تھے میلاد مصطفیٰ
راؤنڈ کانفرنس کے بعد ضیاء الحق نے ان کو شریعت کورٹ
کا جج مقرر کیا اور جمعیت علماء پاکستان چھوڑ کر خود بخود چلے
گئے۔ مولانا مفتی محمد حسین نعیمی باضابطہ جمعیت علماء پاکستان کے
کبھی رکن نہیں رہے۔ البتہ جب ضیاء الحق سے سودے بازی
کرنا ہوتی تھی تو کبھی کبھار ان کو ڈرانے کے لئے جمعیت کا نام
خود بخود استعمال کر لیا کرتے تھے۔ باقی ان منافقین اور
غداروں کا ذکر کرنا ہے سو جو جمعیت کو چھوڑ کر ضیاء الحق
کے مجلس شوریٰ کے رکن بنے غیر جماعتی انتخاب میں حصہ لیا
وہ محترم یہ جمعیت کے "بھگوڑے" تھے جن سے آپ کی
صف اول کی قیادت بھی شکست کھا گئی۔ وزارتیں حاصل
کیں۔ دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹی۔ مولانا عبد الستار
خان نیازی نے ان کو اس جرم کے پاداش میں مجلس شوریٰ
سے اجازت حاصل کرنے کے بعد جمعیت سے خارج
کر دیا۔ اور یہ وڈوں کا کسی جماعت سے نکل جانا کوئی بات
نہیں ۱۹۵۶ء میں "ماچھی گوٹھ" میں جماعت اسلامی کا مشہور
اجلاس سخت افتراق کی نظر ہو گیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی،
ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر عثمانی اور ارشد احمد حقانی ان کثیر افراد
میں سے چند تھے جو مولانا مودودی کی آمریت اور دوغلی پالیسی
کے سبب جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اس کے بعد جماعت
اسلامی پر مزید زوال اس وقت آیا جب مولانا کوثر نیازی
نے مودودی صاحب کی منافقت سے تنگ آکر جماعت کی
رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ ہر سیاسی جماعت میں لوگ
آتے جاتے رہتے ہیں۔ سیاسی جماعت ایک سمندر کی طرح
ہوتی ہے۔ زہریلے جانور بھی ہوتے ہیں لعل و گوہر کے
خزانے بھی ہوتے ہیں۔ جس کی منزل جہاں تک ہوتی ہے
وہیں تک چل سکتا ہے۔ کوئی قومی اسمبلی کے ممبری تک
کوئی اسلام آباد تک تو کوئی اسلام تک۔

۱۹۷۸ء میں رجسٹریشن کا قانون نافذ ہوا جس کی رو سے
سیاسی جماعتوں کو الیکشن کمشنر کے دفتر میں رجسٹرڈ کرانا
تھا پی این اے نے اتفاق رائے سے طے کیا کہ وہ رجسٹرڈ
نہیں کرائیں گی۔ لیکن جماعت اسلامی نے اپنے تمام ساتھیوں
کو دھوکہ دیا۔ جماعت اسلامی نے مدت ختم ہونے سے پہلے
یعنی دو تین دن سے پہلے اپنی جماعت کو رجسٹرڈ کروا لیا
اور اپنے تمام ساتھیوں سے مخفی رکھا۔ جس پر بعد میں نوابزادہ
نصر اللہ خان، مفتی محمود اور دیگر لوگوں نے جماعت اسلامی
کی بڑی لے دے کی۔

جماعت اسلامی کے کارندوں کو ہمارا یہی مشورہ ہے
کہ اتہام بازی اور دشنام طرازی سے باز آجائیں پہلے جماعت
اسلامی کے کرتوتوں پر نظر ڈالیں اور پھر دوسروں پر
انگلی اٹھائیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی کے بارے میں یہ بے بنیاد
پروپیگنڈہ کیوں تراش رہے ہیں کہ وہ عورت کی غیر
شرعی حکومت کی حمایت کر رہے ہیں۔ جہاں تک مولانا
شاہ احمد نورانی کا تعلق ہے ۱۹۷۱ء میں یحییٰ خان سے
ان کی ملاقات ہوئی، ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۷ء کے دوران
ذوالفقار علی بھٹو سے کئی ملاقاتیں ہوئیں ــ آپ
کے مربی ضیاء الحق سے بھی مولانا شاہ احمد نورانی
کی کئی بار ملاقات ہوئی۔ جونیجو کی آل پارٹیز کانفرنس
میں مولانا نے شرکت کی۔ اسی طرح بے نظیر نے جب
کشمیر کے مسئلہ پر کانفرنس میں مولانا شاہ احمد نورانی

باقی صفحہ ۵۰ پر

# ضیاءالحق کی نادانی عورت کی حکمرانی

ڈاکٹر طلحہ صدیقی

مملکت خداداد پاکستان میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک خاتون کسی حکومت کی سربراہ ہیں۔ اس سے پہلے ہماری بیالیس سالہ تاریخ میں ایسا کوئی موقع نہیں آیا کہ صنف نازک کو یہ اہم ذمہ داری سونپی گئی ہو گو کہ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں پورے ملک کی اپوزیشن نے ایک اور خاتون کو تقریباً مسند صدارت تک پہنچا دیا تھا۔ وہ تو بھلا ہو آمر اور ڈکٹیٹر ایوب خان کا کہ جس نے دھاندلی یا ایمانداری سے (یہ بات ابھی تک مباحثہ طلب ہے) اس غیر شرعی اور غیر اسلامی حرکت کا قلع قمع کر دیا ورنہ محترمہ بے نظیر بھٹو کو حکومت کرنے کا مزید جواز مل جاتا۔

محترمہ فاطمہ جناح قائداعظم کی بہن کی حیثیت سے نہیں بلکہ پوری قوم کے لئے ایک معتبر شخصیت تھیں۔ جس وقت اپوزیشن کے رہنماؤں نے ان کی انتخابی مہم سنبھالی ہو گی اس وقت سے ہی شاید ان کو یہ احساس ہو گیا ہو گا کہ اگر محترمہ الیکشن جیت جاتی ہیں تو وہ ملک کی پہلی خاتون صدر ہوں گی لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی جیسی کٹر رجعت پسند اور قدامت پسند جماعت بھی محترمہ فاطمہ جناح ہی کی حامی تھی۔ بلکہ جماعت نے انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سید مودودی اور محترمہ جناح نے کئی موقعوں پر ایک ہی سٹیج پر عوام سے خطاب بھی کیا۔ سید مودودی نے اپنی تحریروں کو سیاسی جامہ پہنانے کے لئے کئی بار بدلا ہے لیکن بے نظیر بھٹو کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح الیکشن ہار گئیں ورنہ "عورت کی سربراہی" کے موضوع پر اور اس کی حمایت میں، مولانا مودودی کی ایک ضخیم کتاب آج بازار صحافت میں موجود ہوتی جس سے موجودہ حکومت کو مزید سہارا مل سکتا تھا۔ پارلیمنٹ کے کئی اجلاسوں میں بیگم صاحبہ اس بات کی کھلی وضاحت کر چکی ہیں کہ جب محترمہ فاطمہ جناح کا صدارتی امیدوار ہونا "حلال" ہے تو ان سے کونسا گناہ سرزد ہوا ہے جس کی پاداش میں وہ صدر سے کم اہمیت کا عہدہ بھی نہیں رکھ سکتیں۔

پاکستان کے مختلف سیاسی اور مذہبی رہنما عورت کی سربراہی کے مسئلے کو کئی زاویوں سے دیکھتے ہیں اور ہر ایک کی اپنی الگ منطق ہے۔ پاکستان کی سب سے شدید بنیاد پرست جماعت یعنی جماعت اسلامی اس مسئلہ پر حسب توقع دوغلی پالیسی کا اظہار کر رہی ہے محترمہ فاطمہ جناح کے انتخابات اور حمایت کو جائز اور بے نظیر حکومت کو ناجائز کہا جا رہا ہے۔ خود جماعت اسلامی اس مسئلے پر کھل کر سامنے نہیں آ رہی کیونکہ اس کا مطلب اپنے پچھلے کردار سے پردہ ہٹانا ہو گا۔ لیکن وہ رسائل اور جرائد جو جماعت کے تنخواہ دار صحافی چلا رہے ہیں عورت کی سربراہی کی شدید مذمت کر رہے ہیں یہ افراد اتنے "تنگ نظر اور کوتاہ نظر" ہیں کہ بے نظیر بھٹو کو "بے نظیر زرداری" لکھ کر

ہی ظاہر ہو جاتے ہیں اور اپنی بولی ٹھولی اور طرز گفتگو کو ناموں کے ہیر پھیر سے مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ صحیح تنقید اور جائز شکایات ہی ایک حکومت کو ختم کر سکتی ہیں ایسی پست حرکتیں ان بے ضمیر صحافیوں کے دلوں کو وقتی سکون تو پہنچا سکتی ہیں لیکن ان کے مکروہ عزائم بھی بے نقاب ہو جاتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن کی جماعت (جے یو آئی) عورت کی سربراہی کو غیر شرعی تصور کرتی ہے لیکن اس مسئلے کو حل کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتی۔ مولانا نے تقریباً ۸ سال ایم آر ڈی کے ذریعے بے نظیر بھٹو کا ساتھ دیا ہے۔ اس وقت انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ پی پی پی دوبارہ اقتدار میں آسکتی ہے اور بے نظیر بھٹو وزیراعظم بھی بن سکتی ہیں۔ لیکن کمال ہوشیاری سے مولانا نے یہ مسئلہ اٹھایا ہی نہیں۔ اب جبکہ جے یو آئی اس مسئلے کو ہوا نہیں دینا چاہتی شاید اس جماعت سے وابستہ افراد حالات کا رخ دیکھ رہے ہیں اور کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہے ہیں۔

جہاں تک عورت کی حکمرانی سے متعلق شرعی مسئلہ کا تعلق ہے جمعیت علماء پاکستان میں اس مسئلہ پر کوئی شرعی اختلاف نہیں تھا۔ مولانا نورانی شریعت کی رو سے عورت کی حکمرانی کو غیر شرعی سمجھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر اس ملک میں نظام مصطفٰے رائج ہوتا تو کسی عورت کے سربراہ حکومت بننے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

مولانا شاہ احمد نورانی کی وضاحت حقیقت پر مبنی ہے۔ پورے گیارہ برس تک جنرل ضیاء الحق برسر اقتدار رہے۔ جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام بھی وزارتوں کے ذریعے حکومت کرتے رہے ہیں لیکن ان تینوں عناصر میں سے کسی کو بھی نفاذ شریعت اور نظام مصطفٰے سے دلچسپی نہیں رہی جب خود اسلام کے یہ خود ساختہ ٹھیکیدار اپنے گیارہ سالہ دور میں آئین میں عورت کی سربراہی کے مسئلے کو حل نہ کر سکے تو ان جماعتوں سے فتویٰ لینے کا کیا فائدہ جن کی نمائندگی ایک یا دو افراد پر مشتمل ہے۔ کیا جنرل صاحب اور جماعت اسلامی کو اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ایک نہ ایک دن دیر یا سویر بے نظیر بھٹو کو حکومت ملنی ہے اور یہ قطعاً غیر شرعی ہوگا؟ کیا مولانا فضل الرحمٰن کو بے نظیر کی ایم آر ڈی کی صدارت نامنظور تھی؟ مولانا نے کئی برس بے نظیر بھٹو کے ماتحت کام کیا ہے۔ اس وقت انہیں شریعت یا اسلام یاد نہ آیا۔ اب جبکہ خود مولانا فضل الرحمٰن پی پی پی کی حمایت سے آج بھی اسمبلی میں موجود ہیں انہیں شرعی اور غیر شرعی کا فرق کیوں نظر آ رہا ہے۔ اب جماعت اسلامی کو بھی شریعت یاد آ رہی ہے لیکن کل جب وہ کھڑے ہو کر محترمہ فاطمہ جناح کا استقبال کر رہے تھے تو اسلام کی حیثیت ثانوی ہو گئی تھی۔
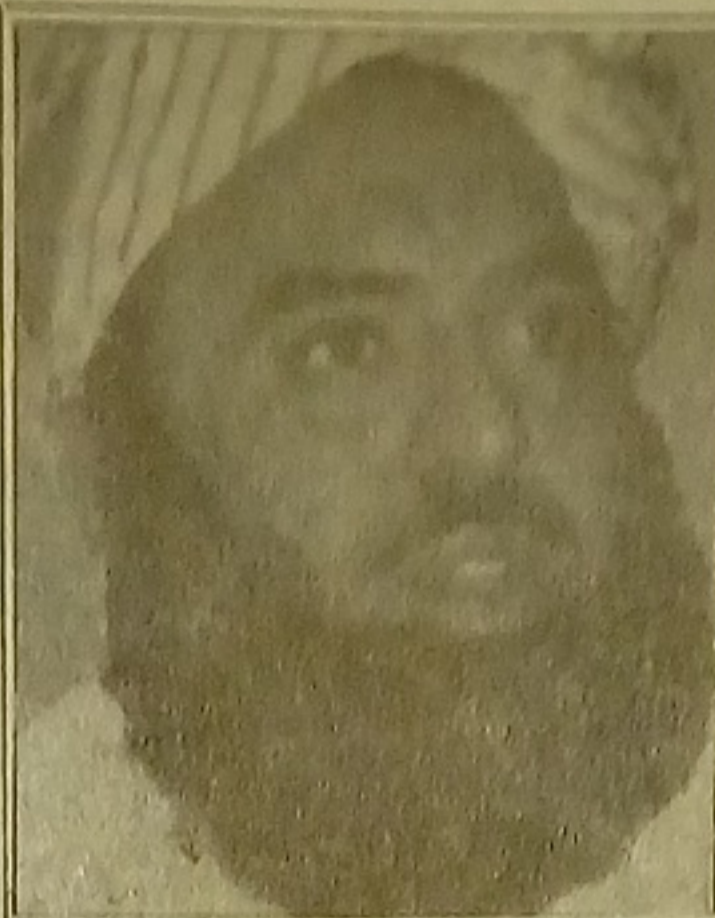
**کیا مولانا فضل الرحمٰن کو بے نظیر کی ایم آر ڈی کی صدارت نامنظور تھی؟**

جہاں تک مولانا عبدالستار خان نیازی کا تعلق ہے ان کی حیثیت کچھ عرصہ پہلے تک غیر متنازعہ ضرور تھی لیکن اب کچھ سوالات ہیں جو عوام کو ان سے کرنے ہیں۔ عورت کی سربراہی کے مسئلے پر میں صرف اتنا کہوں گا کہ اگر مولانا بے نظیر بھٹو کی وزارت کو غیر شرعی تصور کرتے ہیں تو انہیں اسمبلی سے مستعفی ہو جانا چاہئے کیونکہ بہرحال پارلیمنٹ کی سربراہ عورت ہی ہے یعنی وزیراعظم بے نظیر۔ اسی اسمبلی میں ان کے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ان کا ایک ایک دن ان کے گناہوں میں اضافہ کر رہا ہے۔ بعض افراد یہ کہتے ہیں کہ ہم اسمبلی کا سربراہ اسپیکر کو سمجھتے ہیں تو جناب معراج خالد صاحب خود کس کے آدمی ہیں اور وہ بھی عورت کی سربراہی کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ تو عجیب بات ہوگئی کسی صاحب کو دیا سے لطف تھی لیکن شخصیت سے پیار تھا۔ نیازی صاحب کی یہاں دو دخل الیس ہے اگر مسئلہ واقعی اتنا سنگین ہے تو مولانا استعفیٰ دے دیں ورنہ ہم بھی انہیں جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کی طرح ڈپلومیٹ سمجھیں گے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے کوئٹہ میں ہونے والے "سی او پی" کے اجلاس میں مولانا نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں سے ایک نشست کی صدارت بیگم عابدہ حسین نے کی۔ مولانا نے یہ بہانہ پیش کیا کہ یہ میری غیر حاضری میں ہوا اور جب میں آیا تو سامعین کے درمیان بیٹھ گیا اور اسٹیج پر نہ گیا۔ یہ سب عذر ہمیں قابل قبول نہیں۔ آپ کی غیر حاضری میں کچھ بھی ہوا ہو یا آپ جہاں بھی بیٹھے ہوں ایک عالم دین کی حیثیت سے آپ کا یہ فرض تھا کہ آپ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسے بانگ دہل کہتے نہ کہ مصلحت اندیشی کے تحت خاموش رہتے۔ اس سے آپ کے کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔

ہمارے نزدیک اس وقت حکومت کا سب سے اعلیٰ ترین ادارہ قومی اسمبلی ہے۔ اس اسمبلی پر کوئی بل ۲/۳ اکثریت سے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ صدر غلام اسحاق خان اور وزیراعظم بے نظیر بھٹو کوئی بھی بل چاہے وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو اسمبلی سے پاس کرائے بغیر نافذ نہیں کر سکتے۔ قومی اسمبلی کے بعد سینیٹ کا نمبر آتا ہے۔ ان دونوں ایوانوں کے بغیر وزیراعظم کی کرسی مفلوج ہو جاتی ہے چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ حکمرانی نہ تو عورت کی ہے اور نہ ہی مرد کی بلکہ اصل حکمران مشترکہ پارلیمنٹ ہے۔

---

۱۹۸۸ء کے سنسنی خیز اور دلچسپ انتخابات کے بعد پورے ملک میں جمہوریت کا ایک نیا سورج طلوع ہوا ہر خاص و عام نے اس نظام کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ سندھ کے ریگستانوں اور پنجاب کے سبزہ زاروں سے لے کر سرحد اور بلوچستان کے کوہساروں تک ہر پڑھا لکھا جمہوریت کی کامیابی کا طالب رہا اور اس نظام کی صداقت پر بھی یقین رکھتا رہا لیکن پچھلے ایک سال کے عرصے میں ہماری عوامی حکومت جس نے ناقص پالیسی اور جس سیاسی بے عملی کا ثبوت دیا ہے اس سے حالات کے سدھ

# عورت کی حکمرانی کے مسئلہ پر جے یو پی میں کوئی شرعی اختلاف نہیں تھا۔

کے بجائے بگڑنے کا زیادہ ڈر ہے۔

محترمہ بینظیر بھٹو کی جمہوری اور عوامی حکومت بڑی مشکل سے قائم ہوئی ہے۔ ۱۹۷۷ء سے لے کر ۱۹۸۸ء تک پیپلز پارٹی کے جیالے کارکنوں نے جس جرأت مندی اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کیا یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک آمر مطلق نے انتخابات بھی کرائے اور اپنے رویے میں لچک بھی پیدا کی۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم اگر حیات رہتے تو شاید صدارت کی کرسی کبھی نہ چھوڑتے لیکن انہیں اپنے اقتدار میں عوامی نمائندوں کو شریک کرنا پڑتا اور یہ سب کسی اور کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اور صرف پیپلز پارٹی اور دیگر جمہوریت پرست پارٹیوں کی وجہ سے ہوتا۔ محمد خان جونیجو اسی سیاسی دباؤ کے نتیجہ میں وزیراعظم کی بارعب اور باوقار کرسی تک پہنچ پائے ورنہ ان کی حیثیت ایک نامزد صوبائی وزیر سے زیادہ کبھی نہیں رہی۔ ۱۹۸۵ء میں جو "ڈھکی چھپی" جمہوریت قائم ہوئی وہ یقیناً ایم آر ڈی کی تحریک کا منطقی انجام تھی۔ اہل سندھ نے جمہوریت کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ وزیراعظم کا عہدہ سندھ ہی کے حصے میں آیا۔ محترمہ بینظیر بھٹو کے اپنے خاندان نے ناقابل بیان صعوبتیں اور سختیاں برداشت کی ہیں اور اسی کے ثمر کے طور پر عوام پاکستان نے انہیں وزارت عظمیٰ کی کرسی پیش کی ہے۔

پیپلز پارٹی اقتدار تو حاصل کر چکی ہے لیکن ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ اپنا وہ انقلابی رنگ نہیں دکھا پائی جس کی لوگ اس سے توقع کر رہے تھے۔ کراچی اور حیدرآباد کے علاوہ ملک کے تمام حصوں میں پیپلز پارٹی کے ہمدرد اور حامی موجود ہیں۔ اس ایک ڈیڑھ سال کے عرصے میں تو پورے پاکستان کا نقشہ بدلا جا سکتا تھا۔ سندھ کے حالات تبدیل ہو سکتے تھے۔ مہنگائی کم ہو سکتی تھی، عوام کو بنیادی سہولتیں مل سکتی تھیں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت صرف یہ رونا رو رہی ہے کہ ہم کمزور ہیں، ہماری حکومت کمزور ہے اور کوئی بنیادی تبدیلی اس وقت تک نہیں لائی جا سکتی جب تک اسمبلی کے ممبران کی اکثریت تعداد ہمارے ساتھ نہ ہو۔

حکومت کے نمائندے حامی اور ہر شہری کو اس بات کا احساس ہے کہ واقعی یہ حکومت بڑی مشکل سے دوچار ہے لیکن اگر ایسا ہے تو پھر پیپلز پارٹی اپوزیشن میں کیوں نہیں بیٹھتی، وہ کیوں اس بات پر تلی ہوئی ہے کہ حکومت بھی کرتی رہے اور عوام کی تنقید بھی برداشت کرتی رہے۔ اگر آپ کمزور ہیں تو مستعفی ہو جائیں یا پھر انتخابات دوبارہ کرا دیں۔ حکومت کا ایک ایک دن پاکستان کی سیاست سے آپ کی برخاستگی کا سامان مہیا کر رہا ہے، اگلے انتخابات اگر پانچ سال بعد ہوتے ہیں تو آپ کہاں کھڑے ہونگے۔ اس وقت جو پیپلز پارٹی کی پالیسی ہے وہ نہ تو "بائیں" کی طرف ہے اور نہ ہی "دائیں" کی طرف

بلکہ ایک غیر نظریاتی راستے پر یہ پارٹی سفر کر رہی ہے کچھ عرصے بعد جب اشتراکی قوتیں ایک نئے روپ میں پاکستانی سیاست کا دروازہ کھٹکھٹائیں گی تو آپ کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل جائے گی۔ اب تک آپ کا ساتھ جن طبقوں نے دیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ اشتراکی ذہنیت کے حامل افراد اور ان کے زیر اثر مزدور، کسان اور مڈل کلاس۔

۲۔ وہ اقلیتی مذہبی فرقے جن کی کوئی سیاسی جڑ نہیں مثلاً اہل تشیع، قادیانی، آغا خانی، خوجہ وغیرہ

۳۔ پاکستان کی خوش نصیب "اپر کلاس" (UPPER CLASS) جو ترقی کا مطلب فحاشی اور خیالات کی آزادی سے تعبیر کرتی ہے اور جس طبقے کی نمود میں سیاست برائے فیشن کر رہی ہیں۔

ان تینوں طبقات کی نمائندگی پیپلز پارٹی میں موجود ہے لیکن جس طبقے کی حمایت اور قربانی نے پی پی پی کو ایک انقلابی اور طوفانی قوت کا رنگ دے دیا ہے وہ مزدوروں کسانوں اور مڈل کلاس کے ترقی پسند افراد کا گروہ ہے جس دن یہ طبقہ پیپلز پارٹی کی غیر نظریاتی سیاست سے اکتا گیا اس دن پی پی پی کے دن پورے ہو جائیں گے۔

پیپلز پارٹی کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ پاکستان میں ترقی پسند عوامی جماعتوں کی کمی ہے۔ ترقی پسند جماعتوں سے میری مراد وہ جماعتیں ہیں جو جمہوریت کی علمبردار بھی ہوں اور پاکستان کو ایک "ویلفیئر اسٹیٹ" یعنی فلاحی ریاست بھی بنانا چاہتی ہوں۔ ۱۹۶۷ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے یہ نعرہ لگایا، یعنی ایوب آمریت کے خلاف جنگ اور فلاحی ریاست کے ستون یعنی روٹی کپڑا اور مکان کا وعدہ، یہی وجہ تھی کہ عوام چاہے وہ شہری ہوں یا دیہاتی کسان ہوں یا مزدور، عالم ہوں یا جاہل سب کے سب تلوار کی پیٹھ میں آ گئے اور بھٹو صاحب نے میدان جنگ مار لیا۔ یہ تو تھی ۱۹۷۰ء کے انتخابات کی بات۔ ۱۹۷۷ء میں جب عوام نے یہ دیکھا کہ بھٹو حکومت اپنے وعدے پورے نہیں کر سکی تو ایک موثر عوامی طبقے نے دائیں بازو کی تنظیموں یعنی اسلام پسند جماعتوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جانے والے بعض ترقی پسند افراد کو منتخب کر لیا لیکن باوثوق ذرائع کے مطابق اور پاکستان قومی اتحاد کے بعض سرکردہ قائدین کے بقول پیپلز پارٹی پھر بھی الیکشن جیت چکی تھی، جس طبقے نے پی پی پی کی حمایت سے منہ موڑا تھا وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا حلقہ اثر شہروں تک محدود تھا، یہی وجہ تھی کہ بھٹو حکومت کے خلاف تحریک شہروں تک محدود رہی۔ وہ صنعت کار جن کی صنعتیں بھٹو حکومت نے قومیائی تھیں ان شہریوں کی پشت پر تھے لیکن صنعت کاروں کی جہاں دیہی کے زمیندارانہ ماحول میں کوئی گنجائش نہیں اور یہی وجہ تھی پیپلز پارٹی ہزار مخالفتوں کے باوجود الیکشن جیت گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ شہر ہر ملک کی شہ رگ ہوتے ہیں اور ان کے مفلوج ہو جانے سے پورا ملک متاثر ہوتا ہے، یہی چیز بھٹو کو لے ڈوبی لیکن اس پہلے طبقہ کی ہمدردیاں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں اور جو

مزدوروں، کسانوں اور ترقی پسند مڈل کلاس پر مشتمل تھا ایک بار پھر پی پی پی کے ساتھ ہو گئیں کیونکہ اس طبقے کا جو مڈل کلاس عنصر اس سے کٹ گیا تھا وہ پھر سے ان سے آن ملا۔ اس طرح یہ سکون ایک بار پھر مکمل ہو گیا اور پی پی پی نے ۱۹۸۸ء کے انتخابات جیت لئے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتوں کو دس سال کا طویل عرصہ ملا جس دوران بائیں بازو کی مؤثر قوت (یعنی پی پی پی) مشکلات میں گھری رہی لیکن پھر بھی یہ جماعتیں عوام کو متاثر کرنے میں ناکام کیوں رہیں؟ — اس کا جواب بہت آسان لیکن توجہ طلب ہے ...

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں صرف تین مذہبی سیاسی جماعتیں ہیں۔

— جماعت اسلامی

— جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمٰن اور درخواستی گروپ)، اور

— جمعیت علماء پاکستان

ان تینوں جماعتوں میں سب سے زیادہ مظلوم جے یو پی رہی کیونکہ پہلے سندھ کی حد تک اس جماعت کی قوت کو ختم کیا گیا اور اس کا ایک مؤثر گروپ مجلس شوریٰ میں شامل ہو گیا یہاں سے وہ مڈل کلاس طبقہ جو اس جماعت کے ساتھ تھا کنفیوژن کا شکار ہو گیا اور آہستہ آہستہ اس سے کٹتا چلا گیا۔

دوسری طرف جماعت اسلامی تھی، جو دراصل ایک رجعت پسند، بنیاد پرست تنظیم ہے اور اپنی آمرانہ روش اور ضیاء الحق نوازی کے طفیل یہ جماعت بھی پورے ملک کی مڈل کلاس سے ہاتھ دھو بیٹھی جو نظریاتی طور پر جمہوریت پسند واقع ہوئی ہے۔

جمعیت علماء اسلام نے سرحد اور بلوچستان کی حد تک بہت ترقی کی ہے، گو کہ مارشل لاء کے اوائل میں اس جماعت نے بھی ضیاء الحق کی پیش کردہ وزارتیں قبول کیں لیکن جلد ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے ایم آر ڈی کے ذریعے پیپلز پارٹی کا بھرپور ساتھ دیا لیکن انتخابات کہیں اکیلے اور کہیں پی پی پی کی رفاقت میں لڑنے سے صوبہ سرحد اور بلوچستان کے دیہی علاقوں میں اس جماعت نے نمایاں کامیابی حاصل کی ہے لیکن پھر وہی بات ہو جاتی ہے کہ اس جماعت نے بہرحال اپنا سیاسی تشخص ایک طرف رکھ کر خالص سیاسی انداز میں الیکشن لڑا اور کامیابی بھی حاصل کی، دوسری بات یہ ہے کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان کی چند نشستوں پر کامیابی سے پاکستان کی سیاست متاثر نہیں ہوتی کیونکہ قومی سیاست میں اصل تبدیلی سندھ اور پنجاب کے نتائج سے پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں صوبوں میں یہ جماعت نہ ہونے کے برابر ہے اس کے برعکس جمعیت علماء پاکستان علاوہ نشستوں کے اعتبار سے جے یو آئی سے بہت پیچھے ہے لیکن پنجاب اور سندھ کے بعض علاقوں میں اس جماعت کی مخصوص "پاکٹس" ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان دونوں صوبوں کے انتخابی نتائج خصوصاً پنجاب کے نتائج کو بہت حد تک یہ پارٹی متاثر کرتی ہے۔

بات پیپلز پارٹی کی سیاست کی ہو رہی تھی اب مسئلہ یہ ہے کہ کسانوں، مزدوروں اور ترقی پسند مڈل کلاس کی ہمدردیاں ایک بار پھر پی پی پی سے ہٹ گئی ہیں دوسری ترقی پسند جماعتیں مثلاً عوامی نیشنل پارٹی اور مزدور کسان پارٹی وغیرہ اپنی سیاسی ساکھ کھو چکی ہیں لہٰذا اب عوام دوبارہ ایسی جماعت کا انتظار کر رہے ہیں جو رجعت پسند بھی نہ ہو اور فلاحی ریاست کے قیام کی متمنی بھی ہو اس تیسری قوت کا ظہور کب ہو گا یہ کسی کو نہیں معلوم لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر پی پی پی نے اپنی روش نہ بدلی اور انفرادی اور فلاحی سیاست کی طرف توجہ نہ دی تو آئندہ انتخابات میں وہ دوبارہ نہیں آ سکتی ......... اقتدار کے سنگھاسن پر۔

## بقیہ: رمضان المبارک

اور خواہشات نفسانی سب کو میرے لئے چھوڑتا ہے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کو دو خوشیاں عطا کی گئی ہیں ایک خوشی تو اس وقت جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری خوشی اسے اس وقت حاصل ہو گی جب وہ اپنے رب کا دیدار کرے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہ الٰہی میں مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک (ایک خوشبو کا نام) سے بہتر ہے۔

(بخاری شریف و مسلم شریف)

اس حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ روزہ کی حالت میں منہ کو صاف نہ کیا جائے بلکہ مسواک کی جائے کہ عام دنوں سے رمضان میں ثواب دس درجہ زیادہ ہے۔

سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روزہ ایک قسم کی ڈھال ہے جو دنیا میں روزہ دار کو شیطانی شر سے محفوظ رکھتی ہے اور آخرت میں عذاب دوزخ سے اسے محفوظ رکھے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو اپنی زبان سے برے کلمات (گالیاں و بد کلامی) نہ نکالے نہ چیخ کر بھی نہ بولے نہ کسی سے جھگڑا فساد کرے بلکہ اگر کوئی دوسرا شخص اس سے لڑائی کرے تو کہہ دے بھائی میں روزے سے ہوں میں تم سے لڑنا جھگڑنا نہیں چاہتا۔

(بخاری شریف)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن کریم اور روزے بارگاہ خداوندی میں سفارش کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا کہ پروردگار عالم میں نے اس بندے کو سارے دن کھانے پینے اور دیگر نفسانی خواہشات سے روکے رکھا چنانچہ میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما اور اس کے مراتب بلند فرما اور اسی طرح قرآن مجید عرض کرے گا کہ رب العزت میں نے تیرے اس بندے کو رات کو بیشتر حصے میں اپنی تلاوت اور سماعت میں مشغول رکھا اس نے اپنی میٹھی میٹھی نیند میرے لئے ترک کر دی تھی اس لئے میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما کہ اس کے مراتب بلند ہوں، چنانچہ رب کائنات کا ارشاد ہو گا تم دونوں میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ۔

(بیہقی شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحری کیا کرو سحری میں برکت ہے۔

(مسلم شریف)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور یہود کے روزوں میں فرق کرنے والی چیز سحری ہے (مسلم شریف)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک میری امت کے لوگ روزہ افطار کرنے میں عجلت کرتے رہیں گے وہ خیر و خوبی سے ہمکنار ہوں گے۔

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھجور سے روزہ افطار کیا کرو کہ اس میں برکت ہے اگر کھجور میسر نہ ہو تو نمک سے یا پانی سے اپنا روزہ افطار کرو کہ پانی بھی ایک پاکیزہ نعمت الٰہی ہے۔ (مسند امام احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سب سے پیارا بندہ وہ ہے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرے۔

لیبیا کے صدر معمر قذافی نے یہ کہہ کر پاکستانیوں کے دل جیت لئے ہیں کہ "کشمیر پاکستان کا حصہ ہے" "کشمیر کے قضیے پر اگر بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا ہے تو لیبیا پاکستان کی حمایت کرے گا، ماضی میں بھی صدر قذافی پاکستان کی بھرپور حمایت کرتے رہے ہیں، مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد جب پاکستان شدید مالی دباؤ میں آیا تھا تو لیبیا نے ہر طرح سے پاکستان کی امداد کی تھی جنرل ضیاء الحق کے دور میں پاکستان کے تعلقات حکومتی سطح پر لیبیا سے ضرور خراب رہے ہیں مگر عوامی سطح پر دونوں ممالک میں خیر سگالی کے جذبات بدستور قائم رہے۔

پاکستان میں ایک مخصوص ٹولہ ضرور ایسا ہے، جو لیبیا اور پاکستان کے تعلقات کو خراب رکھنا چاہتا ہے، یہ ٹولہ اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر امریکہ کی خوشنودی میں صدر لیبیا پر دہشت گردی کی سرپرستی کرنے کے بے بنیاد الزامات عائد کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ اس ٹولے کے امریکی آقا صدر قذافی کو بین الاقوامی دہشت گردی کا سرپرست قرار دے چکے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صدر قذافی ان تمام بین الاقوامی تحاریک آزادی کے حامی و موید ہیں جو مظلوم قوموں نے اپنی آزادی اور خود مختاری کے لئے چلائی ہوئی ہیں، اب ان تحریکوں میں زیادہ تر تحریکیں مسلمانوں کی ہیں تو اس میں معمر قذافی کا کوئی قصور نہیں کیونکہ دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں کو مشق ستم بنایا جا رہا ہے۔ خواہ وہ فلسطین ہو، کشمیر ہو، مورو کا علاقہ ہو یا اریٹیریا کے میدان ہوں یا وسطی ایشیا کا خطہ ہر جگہ مسلمان اپنے تشخص، اپنے مذہب اور اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

فلسطینی اپنی آزادی کی جنگ میں بڑے پیمانے پر صدر قذافی سے امداد وصول کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح مورو مسلمان ایک بڑے عرصہ تک لیبیا کی امداد و حمایت کے بل پر دشمنوں سے نبرد آزما رہے، بلکہ مورو کی آزادی کی عملی حمایت جس طرح کھل کر صدر قذافی نے کی اس کی توفیق کسی دوسرے مسلم حکمران کو نہ ہو سکی۔ یہی رویہ صدر قذافی کا اریٹیریا کے مجاہدین کے لئے رہا۔ اب یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کشمیر

احوالِ جہاں

ڈاکٹر توفیق احمد

میں آزادی کی جنگ چھڑے۔ وہاں کے مسلمان سر ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان عمل میں نکلیں اور یہاں تک ہو کہ دختران کشمیر بھی سروں کے آنچل کا کفن بنا کر سڑکوں پر آ جائیں تو اسلام کا بے باک مجاہد کرنل معمر قذافی خاموش رہے وہ خاموش نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ مصلحت کوشی اس کی سرشت میں داخل نہیں ہے ریاکاری اسے چھو کر نہیں گزری ہے اور ''_____ "اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی" کی عالمی صداقت پر عمل کرتے ہوئے معمر قذافی نے ببانگ دہل اعلان کیا کہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے اور ہم پاکستان کے ساتھ ہیں۔

مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ صدر معمر قذافی کے اعلیٰ کردار کے برعکس آزاد فلسطینی ریاست کے سربراہ یاسر عرفات نے ایک گھٹیا کردار کا مظاہرہ کیا ہے بھارت میں نہرو ایوارڈ کے ساتھ نقدی رقم کی گرمی پا کر ان کا دماغ گھوم گیا، کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ تو وہ پہلے ہی قرار دے چکے تھے۔ اب انہوں نے فرمایا ہے کہ کشمیر اور فلسطین کی جدوجہد کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ کشمیریوں کی جدوجہد، ان کی نظر میں جدوجہد آزادی نہیں ہے۔ کیونکہ فلسطینیوں کی جدوجہد کو تو وہ عین جدوجہد آزادی قرار دیتے ہیں جس کی خاطر انہوں نے عمر عزیز داؤ پر لگا دی ہے۔ ہمیں ان کی قربانیوں اور ان کے نصب العین کی صداقت سے انکار نہیں۔ ان کی جدوجہد یقیناً آزادی کی جدوجہد

# نیپال میں
# جمہوریت کی لہر اٹھ رہی ہے

ہے مگر ہم ان کے اس نقطۂ نظر کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ "فلسطینی تحریک آزادی کی کوئی مذہبی بنیاد نہیں ہے اور یہودی، عیسائی اور مسلمان مل کر صیہونیت کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں" تحریک آزادی فلسطین کے سلسلہ میں دو چار عیسائیوں کے نام تو ضرور سامنے آتے ہیں جو پی۔ ایل۔ او کے عہدیدار رہے ہیں یا کسی نہ کسی عنوان سے تحریک آزادئ فلسطین میں شامل رہے ہیں مگر یہودی بھی بقول یاسر عرفات اگر اس تحریک سے وابستہ رہے ہیں تو ان میں سے دو چار نام یاسر عرفات ہمیں بھی بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ ان ناموں کو کیوں مخفی رکھا گیا اور عجیب بات ہے کہ تحریک آزادی فلسطین میں یہودی بھی شامل ہیں تو پھر روس سے آنے والے یہودیوں پر کیوں اتنا شور مچایا جارہا ہے

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بات ہی سرے سے غلط ہے اور یاسر عرفات نے بھارت کی نام نہاد سیکولر حکومت کو محض خوش کرنے کے لئے یہ بات داغ دی ہے۔

یاسر عرفات نے داستان کو رنگین بنانے کی خاطر زیب داستان کے لئے یہ بھی فرمایا ہے کہ بھارت ان کی دوسری جنم بھومی ہے۔ یہ بات انہیں پاکستان کے لئے کہنا چاہیئے تھی کیونکہ پاکستان ہی وہ واحد غیر عرب مسلم ملک ہے جس نے ہمیشہ فلسطین کے کاز کی غیر مشروط حمایت کی ہے۔ اس معاملہ میں امریکہ اور مغربی ممالک کی بھی کبھی پرواہ نہیں کی ہے۔ پاکستان نے فلسطین کی حمایت اور اسرائیل کی مخالفت اس شدّ و مد سے کی کہ عالمی یہودی لابی جس نے امریکہ میں اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑے ہوئے ہیں ہمیشہ کے لئے پاکستان کی کٹر دشمن بن گئی۔ اس لابی نے پاکستان کی مخالفت اور بھارت کی حمایت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اس صورتِ حال سے بھارت نے بہت فائدہ اٹھایا مگر پاکستان نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی حالانکہ پاکستان کو توانائی کے بحران پر قابو پانے کے لئے فرانس سے ایٹمی ری ایکٹر کی حصولی میں سالہا سال تک ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ یہودی لابی دنیا بھر میں مسلسل یہ پروپیگنڈہ کرتی رہی کہ پاکستان ایٹمی پلانٹ لے کر اسلامی بم بنانا چاہتا ہے جبکہ بھارت ایٹمی دھماکہ کرنے کے باوجود بھی عالمی طاقتوں کی نظر میں اچھا بنا رہا یہ اور اس قسم کی بہت سی قربانیاں پاکستان نے محض فلسطین کاز کی بے لچک حمایت کی وجہ سے دی ہیں۔

پاکستان نے یاسر عرفات اور ان کی تنظیم پی ایل او پر لگے ہوئے دہشت گردی کے داغوں کو دھویا ہے ۱۹۷۴ء میں پاکستان نے مسئلہ فلسطین پر لاہور میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس بلا کر پی ایل او کو عالمی سطح پر تسلیم کروایا۔ یہ لاہور کی اسلامی سربراہی کانفرنس ہی تھی جس نے یاسر عرفات کو جنرل اسمبلی سے خطاب کرنے اور اعلیٰ ترین بین الاقوامی فورم میں اپنا کیس پیش کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ورنہ اس سے پیشتر امریکہ یاسر عرفات کو ایک دہشت گرد گردانتے ہوئے امریکہ کی سرزمین پر قدم رکھنے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ یہ حکومت پاکستان اور مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ یاسر عرفات زیتون کی شاخ (امن کی نشانی) لے کر اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گئے۔ اور وہاں اعلان کیا کہ میرے ایک ہاتھ میں بندوق اور دوسرے ہاتھ میں زیتون کی شاخ ہے اب یہ آزاد دنیا کا کام ہے کہ وہ میرے ہاتھ میں کیا دیکھنا پسند کرے گی۔ دنیا کو یہ پیغام پہنچانے کا وسیلہ کون بنا تھا ـــــ پاکستان جسے یاسر عرفات اتنا جلد بھول گئے اور بقول نوابزادہ نصر اللہ خان نے بے وفائی کے راستہ پر چل نکلے ہیں۔ یاسر عرفات نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا

"فلسطین ایک سیمنٹ ہے جس نے عرب دنیا کو متحد کیا ہوا ہے اگر اس پر مناسب توجہ نہ دی گئی تو یہ ایک دھماکہ خیز مادہ بھی ثابت ہو سکتا ہے جو اسے اڑا کر رکھ دے گا۔"

پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی مسلسل کاوشوں سے مسئلہ فلسطین نہ صرف عرب دنیا بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک سیمنٹ بن گیا تھا۔ اس کی دھماکہ خیزی بھی ختم ہوچکی تھی اور دنیا نے اسے ایک سنجیدہ مسئلہ کے طور پر لیا تھا۔

یاسر عرفات جو کچھ عرصہ پیشتر ایک چھاپہ مار کے طور پر مشہور تھے اور زیر زمین زندگی گزارتے تھے اسرائیلی ایجنٹوں سے چھپتے پھرتے تھے پاکستان
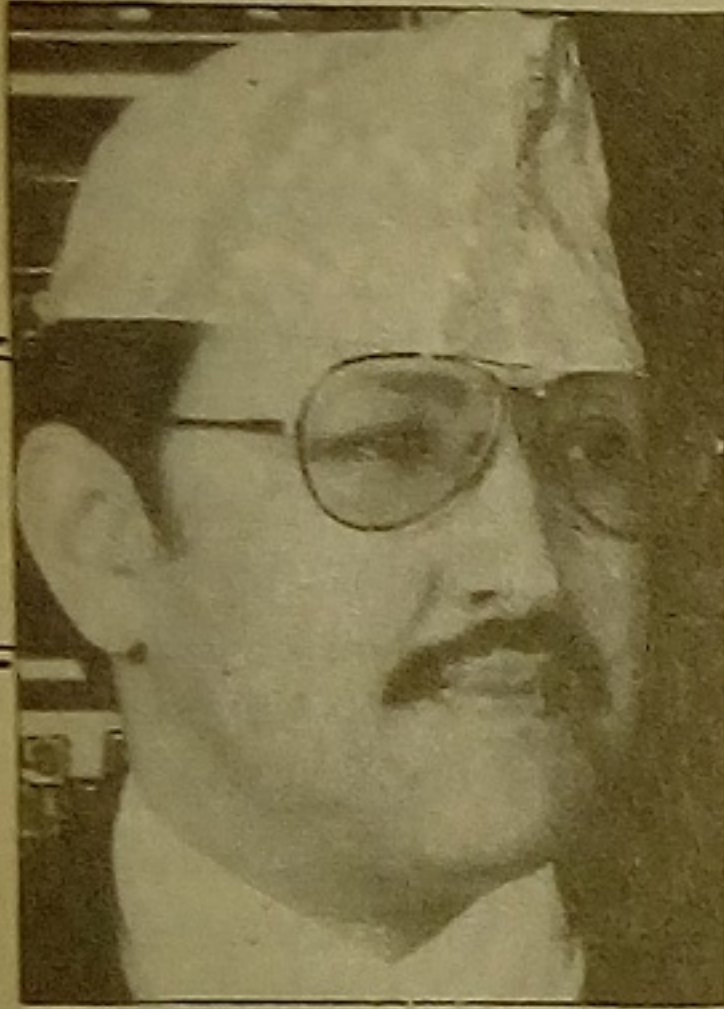
میں ہونے والی دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس کی بدولت اقوام متحدہ سے ایک مدبر کی حیثیت سے خطاب کرکے عالمی لیڈر بن گئے۔ جنرل اسمبلی میں ان کا فیڈل کاسٹرو اور نکیتا خروشیف کا سا شاندار استقبال کیا گیا۔ کیونکہ اب وہ بیالیس اسلامی ممالک کے حمایت یافتہ رہنما تھے اب ان کا ایک مقام تھا اور ایک حیثیت تھی ـــــ یہ مقام اور یہ حیثیت دلانے والے محسن ملک "پاکستان" سے یاسر عرفات کا یہ رویہ سمجھ سے بالاتر ہے۔

یاسر عرفات کا یہ کہنا کہ فلسطین کی تحریک آزادی ایک مذہبی تحریک نہیں ہے یہ بھی غلط ہے شاید ان کی یہی سیکولر سوچ تھی جس کی بدولت وہ ابھی تک منزل سے دور ہیں۔ اسی سوچ کی وجہ سے چالیس سال کی مسلسل اور جان لیوا جدوجہد کے بعد بھی فلسطینی اپنا نصب العین "ایک آزاد وطن" حاصل کرنے میں کامیاب

نہ ہو سکے جوان کا حق تھا اور ان کا اپنا وطن تھا جسے غاصب صیہونیوں نے ہتھیا لیا تھا۔

تحریک آزادیٔ فلسطین کو موجودہ تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے اور دنیا کی ہمدردیاں فلسطینیوں کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہیں اس کی وجہ مقبوضہ عرب علاقوں میں چلنے والی تحریک "انتفاضہ" ہے جو ایک مسلمان پروفیسر نے خالص مذہبی بنیاد پر چلائی ہے۔ مقبوضہ علاقوں میں بسنے مسلمان محض ایمانی طاقت کے بل بوتے پر یہودی فوجوں سے نبرد آزما ہیں. ورنہ گولی کا مقابلہ پتھر سے کیسے کیا جا سکتا ہے.

تحریک انتفاضہ کی نمایاں کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ عام نوجوانوں نے صرف پتھروں اور کنکروں سے اسرائیل کی مسلح فوج کو ناکارہ بنا دیا اور وہ اس تحریک کو روکنے میں اب تک ناکام رہی ہے یاسر عرفات فلسطین کے جائز حقوق کے لئے چالیس سال سے برسرپیکار ہیں لیکن ۹ دسمبر ۱۹۸۷ء کو جب عوام نے جنگ آزادی اپنے ہاتھ میں لے لی تو یہ جدوجہد ایک بہادرانہ مقابلہ کی شکل اختیار کر گئی جو مظلوم اور ظالم کے درمیان جاری ہے اور اس کے اثرات حیرت انگیز ہیں فلسطین کے مرد، عورتیں اور بچے اپنے مقصد کے حصول میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزر رہے ہیں انہوں نے ناقابل بیان تکالیف اٹھائی ہیں لیکن اب ان کا اپنا آزاد وطن نہ صرف نظروں کے سامنے ہے بلکہ منزل تک جلد پہنچنا ممکن ہے.

سخت گیر اقدامات کے باوجود مقبوضہ افواج فلسطینیوں کی تحریک آزادی کو کچلنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اسرائیلی فوج نے نہ صرف فلسطینیوں کی املاک پر قبضہ کیا بلکہ پرامن مظاہرین پر بے تحاشہ گولیاں چلائیں۔ بلاجرم گرفتار کیا۔ قید میں رکھا۔ جلاوطن کیا۔ گھر بار تباہ کئے لیکن وہ ان کے جذبہ آزادی پر قابو نہ حاصل کر سکے۔ وہ یقیناً ایک دن آزاد اور اپنی تقدیر کے خود مالک بنیں گے۔ جوں جوں اسرائیل کی سختیاں بڑھتی جاتی ہیں مشرقی کنارے اور غزہ کی پٹی میں قابض اسرائیلی افواج کے خلاف نفرت اور مزاحمت بڑھتی جا رہی ہے فلسطین کی تحریک آزادی برابر تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ اسرائیلی فوجیں نہتے عرب شہریوں پر ظلم ڈھا رہی ہیں. لیکن فتح بالآخر حق کی ہو گی. اس تحریک کے ذریعے ساری دنیا نے پی ایل او کو فلسطین کا نمائندہ تسلیم کر لیا ہے اس نے ڈرامائی طور پر سیاسی فتح اور سفارتی بین الاقوامی ہمدردیاں حاصل کر لی ہیں اور اب اسرائیل پر زبردست دباؤ ہے کہ وہ فلسطین کے ساتھ "زمین برائے امن" کی بنیاد پر مصالحت کرے۔ تحریک انتفاضہ نے فلسطینی عربوں کے حقوق کو اقوام عالم میں متعارف کرایا ہے اس سے قبل کسی سیاسی یا فوجی تحریک نے یہ گراں مایہ کامیابی حاصل نہ کی تھی۔ مزید کامیابی کے لئے انتفاضہ کا دباؤ قائم رکھنا اب اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔

مذہبی بنیاد پر چلائی جانے والی تحریک انتفاضہ کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے یاسر عرفات کیسے کہتے ہیں کہ تحریک آزادی فلسطین کی مذہبی بنیاد نہیں ہے۔

بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جو جنگ آزادی جاری ہے اسے دیکھتے ہوئے کوئی باشعور آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ محض حکومت وقت سے کچھ شکایتوں کی بنا پر ایک احتجاجی سلسلہ ہے۔ کشمیر لبریشن فرنٹ کے ایریا کمانڈر اشفاق مجید وانی کی ہلاکت کے موقع پر جو بھارتی قابض فوجوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں کشمیر کے دونوں حصوں میں جو زبردست عوامی احتجاجی مظاہرہ ہوا ہے اس سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں جاری تحریک آزادی کو عوام کی مکمل حمایت حاصل ہے۔

سری نگر میں ایک لاکھ کے قریب کشمیریوں نے آزادی کے حق میں نعرے لگاتے ہوئے سڑکوں پر مارچ کیا. یہ عظیم الشان مجمع نعرے لگاتا ہوا وانی شہید کے گھر پر پہنچا جہاں پہنچ کر ان کا جوش و جذبہ قابل دید تھا۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ یہ اجتماع کرفیو کے مختصر وقفہ میں ہوا جو تحریک آزادی میں عام کشمیریوں کی بھرپور شمولیت کا آئینہ دار ہے۔ تقریباً ستر ہزار کشمیریوں نے شام کے وقت کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وانی شہید کے جنازہ میں شرکت کے لئے ایک جلوس نکالا، مجمع کشمیر کی آزادی کے لئے اور بھارتی حکومت کے خلاف نعرے لگا رہا تھا۔ اس مجمع کی بھارتی فوجی دستہ سے جھڑپ ہو گئی۔ بھارتی فوج کی فائرنگ سے سات کشمیری سخت زخمی ہو گئے مظاہرین کے پتھراؤ سے فوجی گاڑی کا ڈرائیور بری طرح زخمی ہو گیا. دس ہزار خواتین کرفیو کی پابندیوں کو توڑ کر وانی شہید کی قبر پر جمع ہوئیں اور انہوں نے آزادی کے سپاہی کے لئے فاتحہ خوانی کی.

آزاد کشمیر میں بھی ہزاروں کشمیریوں نے مظفرآباد کی سڑکوں پر ماتمی جلوس نکالے شرکاء جلوس نے وانی شہید کی ہلاکت کی مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ انہیں جنگ بندی لائن توڑ کر مقبوضہ کشمیر جانے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ شہیدوں کے خون کا بدلہ بھارتی فوجیوں سے لے سکیں۔ مظاہرین کشمیر لبریشن فرنٹ کے بینر اٹھائے ہوئے تھے۔

اسی دوران بھارتی سرحدی فوج نے ان کشمیری نوجوانوں پر گولی چلا دی جو مقبوضہ کشمیر کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کر رہے تھے اس فائرنگ کے نتیجہ میں پانچ کشمیری نوجوان ہلاک اور چھبیس زخمی ہو گئے ۲۰ جنوری سے لیکر اب تک مقبوضہ وادی کشمیر میں ۲۱۷ افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو چکے ہیں جبکہ درجنوں افراد کو بھارتی حکومت نے جیلوں میں بند کیا ہوا ہے۔

دریں اثنا کشمیر لبریشن فرنٹ سے تعلق رکھنے والے بارہ مجاہدین کشمیر سری نگر جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ سخت پہرہ میں رکھنے والے اس جیل سے بارہ مجاہدین کا فرار یقیناً حیران کن ہے بھارتی سیاسی حلقے خود اس فرار پر سخت حیرت زدہ ہیں. گورنر جگ موہن نے جیل حکام کی سخت سرزنش کی ہے. جیلر اور دو مزید افسروں کو معطل کر دیا گیا۔ زبردست تلاش و جستجو کے بعد بھی بھارتی قانون نافذ کرنے والے ادارے ان مجاہدین کا سراغ نہیں لگا سکے اور نہ ہی ان کے فرار کا ذریعہ پا سکے ہیں جب آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو عوامی تائید حاصل ہو جاتی ہے تو انتظامیہ کو انہیں قابو کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور پھر اسی قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں. آج مقبوضہ کشمیر میں یہ صورت ہے کہ جس جگہ بھارتی فوج متعین ہے صرف وہاں پر بھارتی راج دکھائی دیتا ہے باقی ساری وادی ایک آزاد قوم کا نقشہ پیش کر رہی ہے، مجموعی حیثیت سے بھارت کو وادی کشمیر پر کنٹرول حاصل نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ حریت پسندوں کو سری نگر جیل سے راجستھان کی جیلوں میں منتقل کر دیا گیا۔

ایسی واضح صورت حال میں بھی یاسر عرفات اگر مقبوضہ کشمیر میں پائی جانے والی موجودہ سیاسی ابتری اور بے چینی کو بھارت کا اندرونی معاملہ سمجھتے ہیں اور مقبوضہ کشمیر کو بھارت کا حصہ قرار دیتے ہیں تو اسے ان کی لاعلمی یا چشم پوشی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

دنیا میں اٹھی ہوئی آزادی اور جمہوریت کی لہر نے کوہ ہمالیائی کی مملکت نیپال کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اب وہاں بھی یہ مطالبہ زور پکڑ گیا ہے کہ ملک میں اس پرانے کثیر الجماعتی جمہوری نظام کو متعارف کرایا جائے جسے تیس برس قبل موجودہ شاہ نیپال کے والد شاہ مہندرا نے ختم کر دیا تھا۔

موجودہ تحریک کے دوران اب تک ۴۷ جانیں ضائع ہو چکی ہیں اور ہزاروں افراد گرفتار ہو چکے ہیں یہ صورت حال برقرار رہی تو نیپال میں بادشاہت کا وجود بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ جسے آسمانی تعلق پیدا کر کے دائمی استحکام بخشنے کی کوشش کی گئی ہے کہا جاتا ہے کہ موجودہ شاہ بریندرا وشنو دیوتا کا اوتار ہیں۔

کالعدم نیپالی کانگریس پارٹی کے رہنما رشی کیش شاہ کے مطابق اب وقت آگیا ہے کہ شاہ بریندرا اپنے لامحدود روائتی اختیارات سے دست کش ہو کر ایک آئینی بادشاہ بننے کے لئے تیار ہو جائیں ورنہ جمہوریت کی اس جنگ میں وہ فتحیاب نہ ہو سکیں گے۔

نیپال کا دارالحکومت کھٹمنڈو ڈھائی لاکھ آبادی کا شہر ہے۔ اپوزیشن کی کال پر یہاں تین مرتبہ عام ہڑتال ہو چکی ہے۔ تینوں مرتبہ ہڑتال کے دوران دارالحکومت بالکل ویران دسنسان دکھائی دیتا تھا اس بات سے اپوزیشن کا پبلک پر اثر اور تحریک جمہوریت کی عوامی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

تحریک جمہوریت کے دوران پولیس اور مظاہرین کے درمیان زیادہ تر خونی جھڑپیں مندروں کے شہر بھگت پور، چیتوان اور صنعتی شہر بھرت نگر میں ہوئیں، کچھ تشدد آمیز واقعات کھٹمنڈو میں بھی ہوئے۔

نیپال کو آزادی دلانے والی سیاسی جماعتیں ہی تھیں۔ جن کے کارکنوں نے برطانوی سامراج سے گوریلا جنگ لڑ کر آزادی حاصل کی تھی جس کے نتیجہ میں ۱۹۵۱ء میں موجودہ شاہ کے دادا شاہ تری بھون نے جلا وطنی سے واپس آکر نیپال میں اقتدار سنبھالا تھا۔ لیکن سیاسی جماعتوں کی موجودگی میں کوئی بھی حکمران اپنی من مانی نہیں کر سکتا۔ شاہ تری بھون کے بعد برسر اقتدار آنے والے شاہ بریندرا نے ۱۹۶۰ء میں سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی اور پارلیمنٹ کو توڑ دیا۔

شاہ بریندرا نے پاکستان کے سابق صدر ایوب خان کے بنیادی جمہوریت (BASIC DEMOCRACY) کے نظام سے ملتا جلتا غیر جماعتی سیاسی نظام "پنچایت سسٹم" نیپال میں رائج کیا۔ غیر جماعتی بنیاد پر بالغ رائے دہی کے ذریعہ راشٹریہ پنچایت —— (NATIONAL ASSEMBLY) کا انتخاب کیا گیا۔ اس طرح سے منتخب ہونے والے راشٹریہ پنچایت کے ارکان نے شاہ اور ان کے خاندان سے وفاداری اور اس نظام کو قائم رکھنے کا حلف اٹھایا۔

پاکستان میں ایوب خان کا غیر جماعتی سیاسی نظام "بنیادی جمہوریت" بری طرح فیل ہو چکا ہے اسی طرح سے ضیاء الحق کا متعارف کردہ غیر جماعتی سیاسی نظام یہاں نہ چل سکا ان دونوں غیر جماعتی سیاسی نظاموں نے پاکستان میں جو خرابیاں پیدا کی ہیں ان کے برے اثرات اب تک محسوس کئے جا رہے ہیں۔ پاکستان کے تجربات کی روشنی میں یہ اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ غیر جماعتی سیاسی نظام نے نیپالی معاشرہ کو ضرور مشکلات سے دوچار کیا ہوگا۔ جبھی تو سیاسی جماعتوں کے حق میں چلائی جانے والی تحریک کو عوامی پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔

نیپال ایک "لینڈ لاکڈ" ملک ہے یعنی ایک طرف کوہ ہمالیہ سے گھرا ہوا ہے تو باقی تینوں اطراف میں ہندوستان ہے۔ یہ اپنی تجارت اور درآمد و برآمد کے لئے ہندوستان پر انحصار کرتا ہے۔ ایک معاہدہ کے ذریعہ بھارت نیپال کو راہداری کی سہولتیں مہیا کرتا ہے۔ بھارت نے اس معاہدے کی رو سے بہت مراعات نیپال سے حاصل کی ہوئی ہیں نیپالی حکومت ان مراعات کو ختم کرنا چاہتی ہے کیونکہ ان مراعات سے نیپال کی معیشت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ چنانچہ نیپال نے ۱۹۸۹ء میں اس معاہدے کی تجدید کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بھارت کی حکومت نے نیپال پر دباؤ ڈالنے کے لئے نیپال کو تیل کی ترسیل روک دی اور بھارت میں موجود نیپال کے پندرہ ترسیلی تجارتی مراکز میں سے تیرہ کو بند کر دیا بھارت کے ان جابرانہ اقدامات کی وجہ سے نیپال کو ایک سال تک شدید معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تا آنکہ بھارت میں کانگریسی حکومت کا خاتمہ ہوا اور نئی حکومت نے سابقہ حکومت کے نیپال کے خلاف کئے گئے اقدامات کو واپس لے لیا۔

نیپال کی کل آبادی ایک کروڑ اسی لاکھ ہے نوّے فیصد آبادی کا انحصار زراعت پر ہے سیاحت نیپال کی آمدنی کا اہم ذریعہ ہے لیکن سیاحوں کی آمد کو برقرار رکھنے کے لئے ملک میں امن وامان ضروری ہے لیکن جب حالت یہ ہو کہ سیاست دان کثیر الجماعتی جمہوریت بحال کرنا چاہتے ہیں اور شاہ کی حکومت بضد ہے کہ پنچایت کا نظام قائم رہے گا۔ کیونکہ اس میں جمہوریت کی اعلیٰ قدریں شامل ہیں۔ اس میں بالغ حق رائے دہی عدلیہ اور مقننہ کی زیر نگرانی عالمی معیار کے مطابق آزادانہ انتخابات ہوتے ہیں یہ نظام ہمارے قومی مزاج اور تقاضوں کے مطابق بھی ہے تو پھر مستقبل قریب میں نیپال میں حالات بہتر ہوتے دکھائی نہیں دیتے بہرحال نیپال کے حالات سدھارنے کی چابی ابھی بھی شاہ بریندرا کے ہاتھ ہی میں ہے۔

[illegible]ـدوں کو دنیا میں ہر جگہ تشدد کا سامنا ہے۔

# آٹھویں ترمیم کے ذریعہ جنرل ضیاء کے مقاصد

محمد بشیر

جس حسن وخوبی کے ساتھ جسٹس (ریٹائرڈ) یعقوب علی نے پاکستان سوسائٹی کے ایک اجلاس میں آٹھویں ترمیم اور اس کے تباہ کن مضمرات کی وضاحت کی وہ انہی کا حق تھا وہ آئینی وقانونی کی پیچیدگیوں پر گہری نظر رکھتے ہیں دلیر اور صاف گو بھی ہیں اس لئے انہوں نے کوئی بات چھپا کر نہ رکھی ملک امجد حسین اور محمود مرزا درد آدمی ہیں انہوں نے جلسے کے بعد مقالے کو فوٹو کاپیاں کروا کر تقسیم کردیں تاکہ جو لوگ اس پر مزید غور کرنا چاہتے ہیں انہیں آسانی ہو۔

جسٹس یعقوب علی نے مقالے کو تین حصوں میں تقسیم کیا وہ آٹھویں ترمیم کو ایک مجرد آئینی شق نہیں سمجھتے بلکہ ایک اندھا کنواں بتاتے ہیں جس میں طرح طرح کے سانپ بچھو اور بجو عوام کی حاکمیت جمہوریت اور انصاف کا خون چوسنے کیلئے یکجا کر دیئے گئے ہیں آٹھویں ترمیم ایک ترمیم نہیں ۱۹۷۳ء کے آئین جو پاکستان کے منتخب نمائندوں کی مجموعی رضا سے تیار ہوا تھا دو سو سے زیادہ ترمیموں کا مجموعہ ہے جو فوجی آمر نے مارشل لاء کے احکام وضوابط کے ذریعے عمل میں لائی مگر غصب حقوق کی ابتداء ضیاءالحق کے زمانے سے شروع نہیں ہوئی بلکہ آمروں اور غاصبوں کے اس عمل کا نکتہ عروج ہے جو انہوں نے پاکستان کے ابتدائی سالوں میں اپنے اپنے شخصی راج کے دوام کے لئے شروع کیا آٹھویں ترمیم پر شور تو بہت ہے مگر کسی دانشور نے اس کے پس منظر پر اس طرح روشنی نہیں ڈالی اور اب عالم یہ ہے کہ بعض آئینی ماہرین اپنے اپنے سیاسی مقاصد کے حوالے سے یا تو آٹھویں ترمیم کی تعریف کرتے ہیں یا کہتے ہیں کہ اس ترمیم کو آئین سے خارج کیا ہی نہیں جا سکتا۔ سیاسی پارٹیاں فقط حکومت کو نیچا دکھانے کی تگ ودو کر رہی ہیں۔ حالانکہ انتخابات سے قبل ان سب نے اس ترمیم کو ختم کرنے کا عہد کیا تھا۔

آئین پر ڈاکہ ڈالنے والا پہلا آمر غلام محمد تھا جس نے خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو برخاست کردیا اور اس دستور ساز اسمبلی کے ہاتھ قلم کردیئے جو ۱۹۴۷ء میں دستور سازی کے لئے منتخب ہوئی تھی مولوی تمیز الدین کی آئینی رٹ فیڈرل کورٹ نے اس بنا پر ڈسمس کردی کہ گورنر جنرل نے ملکی کورٹ کو گورنر جنرل کے خلاف رٹ کی سماعت کی اجازت نہیں دی ۱۹۴۷ء تک قاعدہ یہ تھا کہ آئینی کے تمام قوانین اسپیکر کے دستخطوں سے نافذ ہوجاتے تھے۔ گورنر جنرل کا ان سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ بہرحال معاملہ دوسرا ہوگیا۔ غلام محمد کے بعد اسکندر مرزا کا دور آیا تو اس نے دستور سازی میں رکاوٹ ڈالی اور تقاضا کیا کہ پہلے ایک لمبے عرصے کے لئے مجھے پاکستان کا صدر بنانے کی ضمانت دو طویل رد وقدح کے بعد دستور ساز اسمبلی نے جو بالواسطہ طریقے سے قائم ہوئی تھی دستور کا ایک مسودہ تیار کیا مگر اسے عوام نے اختیار نہیں دیا تھا۔ چھپن کے دستوری مسودے میں بامر مجبوری اراکین کو یہ لکھنا پڑا کہ وزیراعظم کا تقرر صدر کرے گا اور وہ اسی کے من کی موج کا محتاج ہوگا۔ یعنی صدر جب اس سے ناخوش ہوگا تو اسے برخاست کردے گا۔ چاہے اسے ایوان میں اکثریت کا اعتماد حاصل ہو۔ عوام کی حاکمیت پر ڈاکے کی ابتداء یہیں سے ہوئی اس کے نتیجے میں افراتفری پھیلی مارشل لاء لگا اور بالآخر ایوب خان نے اقتدار پر قبضہ کرلیا وہ آمر مطلق تھا۔ سن باسٹھ میں اس نے ملک پر ایک خود ساختہ دستور نافذ کردیا اور ملک میں صدارتی نظام رائج کردیا تاکہ وہ اپنی شخصی حکومت کو ایک طویل مدت تک

**ایوبی دور میں مشرقی پاکستان میں احساس محرومی نے جنم لیا۔**

قائم رکھ سکے۔ اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں احساس محرومی نے جنم لیا اور یہیں سے علیحدگی کے جذبے ابھرے ایوب خان کا نظام ناکام ہوا تو جنرل یحییٰ خان حاکم مطلق بنے انہوں نے انتخابات کروائے مگر نتائج انہیں پسند نہ آئے اور انہوں نے اقتدار منتقل کرنے کی کوئی کوشش نہ کی وہ بھی کہتے تھے کہ کم سے کم مجھے پندرہ سال تک پاکستان کا صدر بناؤ اس کی خواہش کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستانی فوج نے ہندوستانی جرنیلوں کے آگے ہتھیار ڈالے اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔

جن فوجی آمروں نے ملک کے آئین ودستور کو اپنے شخصی اقتدار کی خاطر توڑنے کی کوشش میں ملک توڑ دیا اور بالآخر وہ ذلیل وخوار ہوکر مرے ذوالفقار علی بھٹو آئین کی اہمیت کو سمجھتے تھے انہوں نے چاروں صوبوں کے منتخب نمائندوں کی رضامندی سے ۷۳ء میں ایک متفقہ آئین اسمبلی سے منظور کروایا قوم نے سکھ کا سانس لیا مگر انہیں بھی آئین میں ترامیم کرنی پڑیں اور ایسا دوسرے ملکوں میں بھی ہوتا ہے کیونکہ آئینی تقاضے بدلتی ہوئی سیاسی صورت حال کے تحت بدلتے رہتے ہیں پہلی ترمیم بنگلہ دیش کو تسلیم کر لینے کے نتیجے میں لازم آئی۔ اس کے تحت پاکستان کے نئے جغرافیے کی تشریح کی گئی۔ دوسری کے تحت احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ تیسری ترمیم کسی بھی شخص کو مقدمہ چلائے بغیر ایک ماہ کی بجائے تین ماہ تک نظر بند کردینے کا جواز فراہم کرتی تھی نظر بندی کی وجوہ میں قوم دشمنی کا رویہ اور ایسی کارروائیوں کو شامل کرلیا گیا جو پاکستان کی سالمیت اور دفاع کے لئے مشکوک سمجھی جائیں۔ چوتھی ترمیم کے ذریعے جماعت سازی پر قدغن لگائی گئی، پانچویں ترمیم کا تعلق اعلیٰ عدالتوں گورنروں کے تقرر اور وفاق اور صوبوں کے درمیان ٹیکسوں کی تقسیم سے تھا اس کے تحت عدلیہ اور انتظامیہ کی علیحدگی کی طے شدہ مدت کو تین سے پانچ سال تک بڑھا دیا گیا اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات محدود کردیئے گئے اب ان کو یہ اختیار نہ رہا کہ وہ نظر بند شخص کی رہائی

کا حکم دے سکیں یا کسی ایسے شخص کو ضمانت پر رہا کر سکیں جو نظر بندی کے کسی قانون کے تحت حراست میں لیا گیا ہو ہائی کورٹ کے ججوں کے لئے قرار پایا کہ ان میں سے کوئی سپریم کورٹ کے جج کی حیثیت سے اپنا تقرر قبول نہ کرے تو اسے ریٹائر سمجھا جائے گا۔ چھٹی ترمیم سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کی مدت ملازمت اور عمر کی حد میں توسیع کے بارے میں تھی ساتویں ترمیم وزیر اعظم کو اس امر کا اختیار دیتی تھی کہ وہ صدر سے اپنے حق میں اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے لئے ریفرنڈم کروا لے اس سے بھی بڑی بات یہ تھی کہ ہائی کورٹ آئین کی دفعہ ۱۹۹ کے تحت کسی ایسے علاقے میں کوئی ایکشن نہیں لے سکتی تھی جس میں سردست فوج شہری انتظامیہ کی امداد کے لئے مصروف عمل ہو۔ اس ترمیم نے فوج کو ملک اور قوم کا حاکم قرار دے دیا۔ پھر جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے ضیاء الحق نے شب خون مار کر وزیر اعظم کو گرفتار کر لیا اور پورے ملک پر مارشل لاء لگا دیا۔

ضیاء الحق آئے تو تین ماہ کے لئے تھے مگر ان کی نیت شروع سے خراب تھی۔ وہ پاکستان پر تاحیات حکومت کرنا چاہتے تھے اس لئے ایک طرف تو انہوں نے عوام کے منتخب وزیر اعظم پر قتل کے جھوٹے الزام میں مقدمہ قائم کر دیا دوسرے آئین میں اپنے احکام کے ذریعے یکطرفہ ترامیم کرنی شروع کر دیں جس دستور کی حفاظت کے لئے انہوں نے حلف اٹھایا تھا اس کو بارہ صفحے کی کتاب کہہ کر پھاڑ ڈالنے کا عزم ظاہر کیا اور شخصی حکومت قائم کر لی ضیاء الحق کے پاس منتخب وزیر اعظم سے غداری کرنے کا کوئی جواز نہ تھا اس لئے اس نے اسلام کا سہارا لیا اور اسلام کے نام پر اپنے فرامین اور حکم نامے جاری کرنے شروع کر دیئے۔ جن کا مقصد ایک تو یہ تھا کہ جمہوریت کے تصور کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے دوسرے اپنی ملوکیت کی راہ ہموار کی جائے آئین اس کی اجازت نہیں دیتا تھا اس لئے اس نے آئین کا حلیہ بدل دیا۔ صدر فضل الٰہی کو راستے سے ہٹا کر وہ خود چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ساتھ صدر بھی بن بیٹھا پھر اس نے شریعت کورٹ قائم کی جس کے دائرہ کار میں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ مداخلت نہ کر سکتی تھی اس کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ فیصلہ کرے کہ کون سا قانون شریعت کے مطابق ہے۔ اور کون سا اس کی نفی کرتا ہے مگر شریعت کورٹ کے ججوں کو اس نے ذاتی ملازم قرار دیا اسے اختیار تھا کہ جب چاہے کسی جج کو وجہ بتائے بغیر چلتا کر دے۔ اس طرح اس نے شریعت کورٹ کو اپنے عزائم کا آلۂ کار بنا لیا جب ایک جج نے سنگساری کو غیر شرعی قانون قرار دیا تو ضیاء الحق نے اس کو راتوں رات

> **یحییٰ خان نے کہا**
>
> **"مجھے پندرہ سال کے لئے پاکستان کا صدر بناؤ۔**

نکال کر اس کی جگہ ایک اور جج کو بٹھا دیا اصل مقصد یہ تھا کہ نہ صرف ملک پر ضیاء الحق سیاسی طور پر قادر ہو بلکہ شریعت بھی اس کے داہموں، عصبیتوں اور خواہشوں کے تابع ہو۔ اور اس کی ایک مثال اس کا ریفرنڈم کا ڈھونگ ہے عوام سے پوچھا یہ گیا تھا کہ کیا تمہیں پاکستان میں شرعی قوانین مطلوب ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی کو انکار کی مجال نہ تھی۔ مگر جواب کا مطلب یہ نکالا گیا کہ عوام نے جنرل ضیاء الحق کو مزید پانچ سال شخصی راج کی اجازت دے دی ہے حالانکہ ریفرنڈم کے سوال میں اس کا اشارہ تک نہ تھا۔ اس کے بعد آرسی او نافذ ہوا ۱۹۸۵ء کے غیر سیاسی انتخابات اسی آرڈر کی روشنی میں ہوئے جن میں کسی سیاسی پارٹی کو حصہ لینے کی اجازت نہ تھی اسی آرڈر کی روشنی میں ضیاء الحق نے آئین میں بے شمار ترمیمیں کر ڈالیں انتخابات کے بعد جو مجلس شوریٰ سامنے آئی اس میں ضیاء الحق نے جونیجو کو وزیر اعظم نامزد کیا۔ اسی کی رضا کو دیکھتے ہوئے مسلم لیگی زمینداروں اور جاہ پرستوں کا ایک بڑا ٹولہ وزیر اعظم کا حامی ہو گیا۔ اور غیر سیاسی انتخابات کے بعد ملک میں مارشل لاء کے زیر سایہ ایک سیاسی حکومت قائم ہو گئی جو اپنے آپ کو مسلم لیگی کہتی تھی۔ مگر اور کسی پارٹی کو اپنا نام لینے کی اجازت نہ تھی۔ محمد خان جونیجو محض اپنی وفاداری کے بدلے نامزد ہوئے تھے ان سے اس کی قیمت آٹھویں ترمیم کی شکل میں وصول کر لی گئی تھی۔ مگر اس بندر بانٹ میں غیر سرکاری حزب اختلاف نے بھی بھرپور تعاون کیا تھا پہلے مسودے میں اس نے کچھ غیر اہم تبدیلیاں کروا لیں تاکہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہے مگر ضیاء الحق کے بے پناہ شخصی اختیارات جوں کے توں رہے۔

آٹھویں ترمیم کی بیس دفعات ہیں اور ایک شیڈول اور اگرچہ اس کے ذریعے ۷۳ء کے آئین کی صرف ۲۰ دفعات کو تبدیل کیا گیا ہے مگر درحقیقت اس کے ذریعے ان بے شمار ترمیموں کی توثیق کر دی گئی جو مارشل لاء کے مختلف ضابطوں کے تحت عمل میں لائی گئیں تھیں چنانچہ آئین بنیادی طور پر تبدیل ہو گیا اور اختیارات کے محور

بدل دیئے گئے مثلاً آرٹیکل ۴۸ میں لکھا گیا تھا کہ صدر معاملات میں وزیر اعظم کے مشورے کا پابند ہو گا۔ صدر کے احکام پر وزیر اعظم کی توثیق ضروری ہو گی اب آٹھویں ترمیم کے ذریعے یہ طریقہ کار تبدیل کر دیا گیا اور یہ بھی قرار پایا کہ صدر جو من میں آئے کرے کوئی بھی عدالت اس کے کسی حکم پر بازپرس کی مجاز نہ ہو گی یہ اور اسی قسم کے بہت سے بے جا اختیارات آٹھویں ترمیم کی دفعہ ۲ کے تحت دیئے گئے ہیں ان کی تنسیخ کی دفعہ ۴۸ کی مکمل بحالی نہیں ہو سکتی یہ دستور کی مکمل بحالی کے لئے لازم ہو گا کہ مارشل لاء کے زور پر اور اسی کے ذریعے صدر کی حیثیت سے ضیاء الحق نے جتنی بھی ترمیمیں کی ہیں اور دستور میں ترمیم کے اختیار کی بدولت جو بیگم نصرت بھٹو کیس میں جسٹس شیخ انوار الحق کی عدالت نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو دیا غیر قانونی قرار دیا جائے اور غالباً اس کے لئے سپریم کورٹ کو بیگم نصرت بھٹو کیس پر نظرثانی کے لئے درخواست گزارنی پڑے گی یہ جسٹس یعقوب علی خان نے نہیں کہا یہ اس ناچیز کی رائے ہے۔

اب آرٹیکل ۵۰ کی طرف آیئے اس کے مطابق کی منظوری دینی ہو گی جو آرٹیکل ۷۰، ۷۱ اور ۷۳ کے تحت پارلیمنٹ سے منظور کئے ہوں ورنہ بل قانون بن جائیں گے۔

(ب) اس کے بعد بل کو ایکٹ آف پارلیمنٹ کہا جائے گا

(ج) کوئی سابقہ فروگذاشت یا قاعدہ ضابطوں کے راستے کی رکاوٹ نہ بنے گا۔

اس کی جگہ جو ترمیم کی گئی ہے اس کے مطابق صدر بلوں کی ۴۵ روز کے اندر منظوری دے گا یا اگر وہ بل مالیاتی بل نہیں ہے تو مجلس شوریٰ کو یہ کہہ کر واپس کر دے گا کہ اس میں فلاں فلاں تبدیلیاں کی جائیں یہ فرمان آرسی او کی دفعہ ۱۴ کے تحت جاری کیا گیا تھا اور شرط لگائی گئی تھی کہ بل کی منظوری کے لئے دونوں ایوانوں کی دو تہائی اکثریت لازمی ہو گی۔ مگر آٹھویں ترمیم میں دو تہائی اکثریت دونوں ایوانوں کی کل گنتی کی بجائے حاضر ارکان کی دو تہائی اکثریت شمار کی جائے گی آرٹیکل ۹۱ میں درج تھا کہ پارلیمنٹ میں ایک مسلمان رکن کو وزیر اعظم منتخب کرے گی۔ پی او ۱۴ کے تحت اس میں ترمیم کر کے لکھا گیا کہ وزیر اعظم کی سربراہی میں ایک کابینہ ہو گی جو صدر کو اس کے فرائض میں مشورہ دے گی۔ صدر اپنی صوابدید کے مطابق ایک ایسے شخص کو وزیر اعظم نامزد کرے گا جو اس کے خیال میں ایوان کی حمایت حاصل کر سکے۔ اس کے ثبوت کے لئے اسے ساٹھ دن کی مہلت ہو گی اکثریت کی حمایت حاصل کر لینے کے باوجود اس کا تقرر صدر کی صوابدید پر منحصر ہو گا۔

۷۳ء کے آئین کے مطابق گورنر کے تقرر کے لئے متعلقہ

وزیر اعلیٰ کی رضامندی ضروری تھی مگر پی او ۱۴ کے تحت یہ معاملہ صدر کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔ آٹھویں ترمیم سے تحت اسے وزیر اعلیٰ کی بجائے وزیر اعظم سے مشورہ کرنے کا اختیار دیا گیا پی او ۱۴ کی روشنی میں وزیر اعلیٰ کا تقرر گورنر کی صوابدید پر منحصر ہو گیا جو اس کی رائے میں ایوان کی اکثریت کا اعتماد حاصل کر سکے۔ مگر پھر بھی گورنر جب چاہے اس کو برطرف کر دے آٹھویں ترمیم میں وزیر اعلیٰ کو اتنا تحفظ عطا ہوا کہ اگر اکثریت اس کی حمایت کرتی ہو تو گورنر اسے برطرف نہیں کر سکے گا۔

مگر آٹھویں ترمیم کا آرٹیکل ۲۷۰ سب سے خوفناک آرٹیکل ہے اس کے تحت مارشل لاء کے نفاذ اور اس کے تحت جاری کئے گئے تمام آرڈر اور ریگولیشنز کو آئینی حیثیت حاصل ہو گئی قرار پایا کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے آٹھویں ترمیم کے نفاذ کی تاریخ تک جاری کردہ احکام ضابطے اور ترمیمیں شروع ہی سے آئین کے مطابق ہیں جن کے خلاف سماعت کا کسی عدالت کو اختیار نہیں ہے یہی نہیں یہ بھی قرار پایا کہ یہ تمام قوانین اور احکام آگے بھی جاری رہیں گے۔ اور اس کا مطلب تھا مارشل لاء کا دوام اس آرٹیکل کی ترمیم کی شرائط بھی وہی تھیں جو آئین کے کسی اور آرٹیکل کی ترمیم کے لئے لازمی تھیں گویا اصل مسئلہ آرٹیکل ۲۷۰ اے ہے آٹھویں ترمیم تو محض اس کا آلہ کار ہے۔

جنرل ضیاء الحق نے جتنے بھی ضابطے جاری کئے اور جتنی بھی ترمیمیں کیں ان کا مقصد عدالتی عمل اور سیاسی عمل سے بالا بالا اپنی شخصی حکومت کو دوام بخشنا تھا اسی لئے اس نے تمام سیاسی پارٹیوں کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ جمہوریت کی مذمت کی اور انتخابی عمل کو اسلام کے خلاف ٹھہرایا اس دھاندلی کا بھرم رکھنے کے لئے اس نے ایک مجلس شوریٰ قائم کی۔ شریعت کورٹ قائم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ جب چاہے اس سے اپنے حق میں فتوے لے سکے۔ سیاسی پارٹیوں انتخابات اور مغربی جمہوریت کو اسلام کی نفی قرار دے سکے۔ اور حکومت شاہی فرامین کے ذریعے چلے۔ مارچ ۸۵ء میں پی او نمبر ۱۴ جاری ہوا جس کے نتیجے میں غیر سیاسی انتخابات ہوئے اور جناب جونیجو کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا مگر سودے بازی میں طے پایا تھا کہ صدر چیف آف آرمی اسٹاف کا عہدہ بھی اپنے پاس رکھے گا اور آٹھویں ترمیم بھی پاس ہو گی۔ جو ضیاء الحق کی صدارت اور ان کے تمام کو ہمیشہ کے لئے تحفظ دے گی مگر جب محمد خان جونیجو نے پر پرزے نکالنے چاہے تو انہی اختیارات کے تحت جو صدر نے پارلیمنٹ سے لئے تھے ان کو اور پارلیمنٹ کو اور صوبائی اسمبلیوں کو برخاست کر دیا۔

اب اس ترمیم کی تنسیخ کے بارے تک بحث ہو رہی ہے مگر بعض پارٹیاں اپنے عہد سے منحرف ہو گئی ہیں جو لوگ اس کو منسوخ کرنا چاہتے ہیں بے دست و پا ہو گئے ہیں مگر یہ کسی ایک پارٹی کا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں اس پر خالص اور قومی اور ملکی حوالے سے غور کرنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آٹھویں ترمیم نے پاکستان کے آئین میں بنیادی تبدیلیاں کی ہیں۔ یہ تبدیلیاں کس نے کیں، ظاہر ہے کہ ایک غاصب حکمران نے جو کسی کا نمائندہ نہ تھا اور محض اپنی ذاتی حکومت کو دوام بخشنا چاہتا تھا۔ عاصمہ جیلانی کیس میں عدالت نے فیصلہ دیا تھا کہ کسی غاصب حکمران کو آئین کا سرچشمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یعنی آئین کی تبدیلیوں کا کوئی اخلاقی قانونی اور سیاسی جواز نہیں مگر مفادات لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ آٹھویں ترمیم کی حمایت کریں اب کراچی کے جناب خالد اسحٰق نے اس کی خوبیاں گنوانی شروع کر دی ہیں اور سینیٹ کے چیئرمین جناب وسیم سجاد فرماتے ہیں کہ آٹھویں ترمیم کو ختم کرنا ممکن ہی نہیں۔ یہ دونوں معزز قانون دان ہیں مگر وہ بھی ضیاء الحق کے مفاد کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

**ضیاء نے**
**جس دستور کی حفاظت**
**کا حلف اُٹھایا تھا**
**اُسے بارہ صفحے**
**کی کتاب**
**کہہ کر پھاڑ**
**دینے کا**
**ارادہ ظاہر کیا۔**

آٹھویں ترمیم کی تنسیخ میں کوئی قانونی رکاوٹ نہیں ہے اور اگر منتخب نمائندے خلوص نیت کا ثبوت دیں تو اس سے جان چھڑائی جا سکتی ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ضیاء الحق نے جو کچھ کیا اپنے زور سے کیا۔ ورنہ اسے کسی نے اس کو آئین کا ماخذ تسلیم نہیں کیا تھا اگر دلیل یہ دی جائے کہ ان قوانین کی پارلیمنٹ نے توثیق کر دی تھی تو جواب یہ ہے کہ اس نے رضاکارانہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے یہ تو سودا بازی تھی اور یہ ایک اہم قانونی نکتہ ہے پھر پارلیمنٹ کے ارکان کو سیاسی پارٹیوں کی حمایت بھی حاصل نہ تھی وہ ڈکٹیٹر کے آگے نہ جھکتے تو کیا کرتے مگر اب پارلیمنٹ منتخب ہو کر آئی ہے اس پر آزادی سے غور کر سکتی ہے۔ ۷۳ء کے آئین میں اگر صدر کے اختیارات محدود کئے گئے تھے تو اس کی وجہ تاریخی تجربہ تھا۔ پہلے غلام محمد نے آمریت قائم کی پھر ایوب خان نے اپنا سکہ چلایا۔ یحییٰ خان آئے تو انہوں نے ملک کو توڑ دیا اور ضیاء الحق نے تو قوم سے جینے کی امنگ چھین لی۔ ان میں سے کسی بھی ڈکٹیٹر کو پاکستان اور قوم کے مستقبل سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ سب تا قیامت راج کرنا چاہتے تھے اور اسی خیال سے ان میں سے ہر ایک نے ملکی آئین کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اگر صدر کے بے پناہ اختیارات برقرار رہے تو ملک میں عوام کی حاکمیت اور جمہوریت کبھی مستحکم نہ ہو سکے گی سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے جھگڑے اور مفادات آٹھویں ترمیم کے خاتمے کے راستے میں رکاوٹ ہیں مگر پارلیمنٹ کو اتفاق رائے سے اس کے بارے میں اقدام کرنا چاہئے جسٹس یعقوب کی رائے میں بہترین صورت یہ ہے کہ پارلیمنٹ دونوں ایوانوں کے ارکان پر مشتمل ایک خصوصی کمیٹی قائم کرے جو کہ آئینی تبدیلیوں کے مضمرات پر غور کرے اور اپنی سفارشات دونوں ایوانوں کے سامنے رکھے اسے مختلف بنچوں سے شہادتیں بھی لینی چاہئیں چاروں صوبوں سے بھی پوچھنا چاہئے بار کے ارکان سے بھی مشورہ لینا چاہئے اور اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کی رائے بھی لینی چاہئے آئین کی تمام بنیادی تبدیلیوں کا جائزہ لینا ایک طویل کام ہے مگر بعض اقدامات فوری توجہ کے مستحق ہیں مثلاً صدر کا یہ اختیار کہ وہ جب چاہے پارلیمنٹ برخاست کر دے یا یہ اختیار کہ صدر جس کو چاہے وزیر اعظم نامزد کر دے یا یہ اختیار کہ صدر اپنی مرضی سے صوبائی گورنروں اور تینوں مسلح افواج کے سربراہوں کا تقرر کر دے یا یہ اختیار کہ وہ فیڈرل شریعت کورٹ کو اپنی مرضی کے مطابق چلائے۔

# رمضان المبارک

## احادیث مبارکہ کی روشنی میں

اقبال احمد اختر القادری

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مقدسہ کی رو سے یہ بات نہایت ہی واضح ثابت ہے کہ رمضان المبارک کے روزے چاند دیکھ کر رکھنا شروع کئے جائیں اور شوال المکرم کا چاند دیکھ کر ہی ختم کئے جائیں۔

حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان المعظم کے آخری دن ہمارے سامنے خطبہ فرمایا اور فرمایا کہ :

**مسلمانو!** تم پر ایک عظیم الشان مہینہ سایہ فگن ہوا جاتا ہے یہ مہینہ بڑی برکتوں والا ہے اس مہینہ میں ایک رات لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے تم پر اللہ تعالیٰ عزوجل نے اس مہینے کے روزے فرض فرمائے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام (تراویح) سنت قرار دیا۔ جو مسلمان اس ماہ میں کار خیر کرے تو اس کا ثواب ایسا ہے جیسے اس نے دوسرے دنوں میں فرض ادا کیا اور جو اس ماہ میں فرض ادا کرے تو ایسا ہے جیسے اس نے ستر فرض ادا کئے۔ پھر فرمایا یہ مہینہ صبر و سہار کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے یہ ماہ غم خواری کا ہے اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے جو اس مہینے میں کسی مومن روزہ دار کا روزہ افطار کرائے گا تو وہ اس کے لئے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہو گا اور دوزخ سے نجات کا سبب اور اس روزہ دار کے ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا مگر یہ کہ روزہ دار کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوگی۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے پاس اتنا سامان نہیں کہ ہم اس سے روزہ دار کے روزے افطار کرائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ پلائے یا ایک کھجور کھلائے یا گھونٹ بھر پانی پلائے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی اسی قدر ثواب عطا فرمائے گا اور اگر کوئی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے سیراب فرمائے گا جس کے بعد اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی اور وہ جنت میں چلا جائے گا۔ اس ماہ کا پہلا عشرہ (یعنی پہلے دس دن) عشرہ رحمت ہے دوسرا عشرہ مغفرت کا ہے۔ اور تیسرا عشرہ آگ کی قید یا عذاب دوزخ سے نجات کا ہے تم میں سے جو بھی اپنے مملوک یا خادم و ماتحت پر تخفیف عمل کرے گا (اس سے کام کم لے گا) تو اللہ رب العزت اس کو بخش دے گا اور جہنم سے نجات عطا فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، بیہقی شریف)

صاحب مسلم شریف اپنی کتاب مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان شریف کی پہلی رات ہی تمام سرکش شیطانی قوتیں قید کر دی جاتی ہیں۔ اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک غائب سے منادی ہوتی ہے کہ اے نیک کاموں کے خواہشمند! بھلائی کے لئے آگے بڑھو اور اے بد عمل انسان اب تو اپنے بُرے اعمال سے باز آجا نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے روزے دار بندوں کو رمضان میں روزے رکھنے اور راتوں کو قیام (تراویح پڑھنے) کرنے کے سبب دوزخ سے نجات عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم شریف)

متعدد روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے تین رات مسلسل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کی جب چوتھے روز بھی سب نماز کے لئے آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف نہیں لائے پھر صبح فجر کی نماز پڑھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں رات اس خوف سے کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے نہیں آیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ تم خود شوق و رغبت سے اس نماز کو ادا کرو۔ اس کی تعمیل میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں بھی رمضان المبارک میں تراویح کی نماز اسی طرح ادا کرتے رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتفاق سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں سب کو ایک ساتھ نماز تراویح ادا کرنے کا حکم فرمایا لہٰذا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجماع کے بعد امت مسلمہ آج تک اس پر عمل پیرا ہیں حنفی مسلک میں ۲۰ رکعت نماز تراویح ہیں۔

۲۰ رکعت نماز تراویح پڑھنے کے بعد تین رکعت نماز وتر با جماعت رمضان المبارک میں ادا کئے جائیں۔ (صحیح مسلم شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے روزہ کے مجبوری بولنا اور اس پر عمل کرنا یا جھوٹی شہادت دینا نہ چھوڑا ہو تو اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کا کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔ (بخاری و مسلم شریف)

حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک دروازے کا نام باب الریان ہے اس سے صرف روزہ دار ہی جنت میں داخل ہوں گے۔ (صحیح بخاری و مسلم شریف)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پہلے تو آنے والے رمضان کے لئے پورے سال جنت کو سنوارا جاتا ہے لیکن رمضان شروع ہوتے ہی اس کی پہلی رات میں زیر عرش مشک بیز ہوائیں چلتی ہیں اور جب وہ حوروں کو چھوتی ہیں تو وہ اس کی خوشبو سے محظوظ ہو کر دعا کرتی ہیں کہ اے رب العزت ہمیں اپنے روزے دار بندے کی زوجیت کا شرف بخش اے رب ہماری آنکھیں انہیں دیکھ کر ٹھنڈی ہوں اور ان کی آنکھیں ہمیں دیکھ کر ٹھنڈی ہوتی رہیں۔ (بیہقی شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے ہر نیک عمل کے عوض دس سے سات سو گنا تک اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے سوائے روزے کے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے بندے نے میرے لئے روزہ رکھا ہے لہٰذا اس کے روزہ کا بے حد و حساب اجر عطا کروں گا کیونکہ اس نے کھانے پینے

باقی صفحہ ۔۔ پر

# کیا صدر سوہارتو کا اقتدار جاری رہے گا؟

**تعجب کی بات یہ ہے کہ تبدیلی کا مطالبہ فوج کی طرف سے ہو رہا ہے**

اس ماہ انڈونیشیا کے صدر سوہارتو اپنے دورِ اقتدار کے پچیسویں (۲۵) سال میں داخل ہو رہے ہیں۔ تیسری دنیا کے سربراہوں میں یہ ایک ریکارڈ دورِ حکومت ہے۔ جس وقت سے انہوں نے اپنے پیشرو ڈاکٹر احمد سوئیکارنو کی جگہ صدارت کا عہدہ سنبھالا ہے ملک کی غربت اور افلاس میں کافی حد تک کمی ہوئی ہے پہلے وہاں غربت کا معیار ساٹھ فیصد تھا جو اب کم ہو کر صرف بیس فیصد رہ گیا ہے۔ انڈونیشیا کا ملک ۱۳،۶۷۷ چھوٹے بڑے جزیروں پر مشتمل ہے۔ پہلے یہاں کے لوگوں کی خوراک کے لئے چاول درآمد کرنا پڑتا تھا اور انڈونیشیا دنیا بھر میں سب سے زیادہ چاول درآمد کرنے والا ملک تھا لیکن اب وہ خوراک کے معاملہ میں خود کفیل ہے۔ پہلے انڈونیشیا کی اقتصادیات کا دارومدار صرف تیل کی آمدنی پر تھا لیکن اب اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تیار شدہ مال بھی ہے جو غیر ممالک کو برآمد کیا جاتا ہے۔ سوہارتو کے ان اقدامات سے ملک میں سیاسی اور اقتصادی استحکام پیدا ہوا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے دنیا میں انڈونیشیا پانچویں نمبر پر ہے اور اٹھارہ کروڑ کی آبادی میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

بجائے اس کے کہ سوہارتو کی تعریف کی جاتی۔ ملک کی اہم فوجی اور سیاسی شخصیتیں ان پر انگشت نمائی کر رہی ہیں۔ سوہارتو کے پرانے ساتھی اور ملک کے اندرونی دفاع کے سابق انچارج جنرل سومترو کہتے ہیں کہ "ہم چاہتے ہیں کہ اب ان کے اقتدار کا خاتمہ باعزت طور پر ہو جائے۔" آزادیٔ اظہار کی آڑ لیتے ہوئے دوسرے فوجی اور سیاسی لیڈروں نے بھی دبی دبی زبان سے یہی کچھ کہنا شروع کر دیا ہے کہ سوہارتو کو اپنے عہدہ کی معیاد ختم ہونے کے بعد ۱۹۹۳ء میں چھٹی بار صدارت کے انتخاب میں امیدوار نہ ہونا چاہیئے۔ ایک سیاسی لیڈر کا جس کا تعلق حزب اختلاف سے ہے مگر وہ اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا یہ کہنا ہے "اب اکثریت یہ نہیں چاہتی کہ سوہارتو مزید زیادہ عرصہ صدارت کے عہدہ پر قائم رہیں لیکن وہ ایسا کھلے عام کہتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اگر کسی نے انہیں اقتدار سے ہٹانے کی کوشش کی تو اس کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔"

اس سال جون میں سوہارتو کی عمر ۶۹ سال ہو جائے گی اور اب انڈونیشیا کے سیاستدان ان کی جانشینی کے مسئلہ پر غور کر رہے ہیں۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ صدر سوہارتو نے گزشتہ سال اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھا ہے کہ وہ آئندہ صدارتی انتخاب نہیں لڑیں گے سیاسی امور کے وزیر نے اپنی حالیہ تقریر میں خود کہا "ہم ایک ایسی بات پر بحث کر رہے ہیں جو اس سے پہلے کبھی پیش نہیں آئی۔" حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۵۰ء سے انڈونیشیا میں کبھی بھی انتقال اقتدار پر امن طور پر نہیں ہوا ہے۔

> بڑے صنعتی اداروں پر صدر کے خاندان والوں کی اجارہ داری ہے

سوئیکارنو کے خلاف کمیونسٹوں کی ناکام بغاوت کے بعد مارچ ۱۹۶۶ء میں سوہارتو نے انڈونیشیا کی قیادت سنبھالی تھی اس ناکام بغاوت کے نتیجہ میں قتل عام شروع ہو گیا جس میں ہزاروں کمیونسٹ اور ان کے ہمدرد مارے گئے تھے ایک اندازے کے مطابق تقریباً پانچ لاکھ افراد غائب ہو گئے یا مارے گئے۔ جکارتا میں مقیم ایک مغربی تجزیہ نگار کا کہنا ہے "موجودہ دور سیاسی لیڈروں کے لئے عبوری دور ہے یہ عبوری نسل کا دور ہے۔ نئی نسل کی پریشانیاں ہیں اور نئی قدریں ابھر رہی ہیں۔"

پرانی قدریں پانچ قومی نظریات پر محیط ہیں جنھیں پنج شیلا کا نام دیا گیا ہے۔ یہ خدا کی وحدانیت پر اعتقاد، مہذب انسانیت، قومی اتحاد، اتفاق رائے سے جمہوریت اور معاشرتی انصاف پر مبنی ہے ان نظریات کے تحت سوہارتو کو عوام کا اعتماد اور تائید حاصل رہی۔ ان کی خارجہ پالیسی غیر وابستگی پر منحصر ہے لیکن زیادہ جھکاؤ مغرب کی طرف ہے۔ ان کا ملک تیل پیدا کرنے والے ملکوں میں تیرہویں نمبر پر ہے اور ان کی اقتصادی پالیسی کے تحت ۱۹۸۰ء کی دہائی کے وسط میں بھی جب تیل کی قیمتوں میں بحران پیدا ہو گیا تھا انڈونیشیا اس وقت اس سے محفوظ رہا۔ انہی نظریات کے تحت انہوں نے سیاسی مخالفین اور پریس پر اپنا دباؤ برقرار رکھا انسانی حقوق کو نظر انداز کیا اور اس وقت بھی تقریباً چار سو سیاسی قیدی جیلوں میں موجود ہیں۔ یہ سوہارتو ہی کی سخت گیری ہے جس نے انڈونیشیا کے پڑھے لکھے نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی کو روکا ہے۔

اگرچہ انسانی حقوق کے معاملہ میں کچھ بہتری ہوئی ہے لیکن پھر بھی اس امر میں اب بھی بہت سے مسائل باقی ہیں ان میں تخریب کاری میں ماخوذ ملزموں کے ساتھ سخت برتاؤ اور مشرقی تائمور میں بغاوت میں ملوث لوگوں پر مسلسل جبر خاص طور پر قابل ذکر ہے مشرقی تائمور پہلے پرتگالی نوآبادی تھی جسے ۱۹۷۵ء میں انڈونیشیا نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ گزشتہ ماہ چار صدارتی محافظ جو گزشتہ پچیس (۲۵) سال سے جیل میں پڑے تھے کہ ان پر ۱۹۶۵ء کی بغاوت میں شرکت کا الزام تھا موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ان کی پھانسیوں سے حکومت یہ یاد دہانی کرانا چاہتی تھی کہ کمیونزم اب بھی ملک کے لئے ایک خطرہ ہے۔ سرگرم طالب علم جو ۱۹۷۰ء سے خاموش تھے اب پھر بیدار ہو گئے ہیں اور انہوں نے جمہوریت کے لئے احتجاج شروع کر دیا ہے اہل دانش اور کچھ سرکاری افسروں نے بھی سوہارتو پر تنقید شروع کر دی ہے [illegible] ہے کہ وہ اپنا جابرانہ رویہ تبدیل کریں

سب سے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ تبدیلی کا مطالبہ فوج کی طرف سے بڑھ رہا ہے جبکہ اس کا اپنا اثر ماند پڑتا جا رہا ہے۔ پرانے فوجی ساتھیوں سے کشمکش اور تنازعہ کا سلسلہ ۱۹۸۸ء کے انتخابات کے دوران شروع ہوا جب سوہارتو نے فوجی افسروں کے اعتراض کے باوجود سدہارمونو (SUDHARMONO) کو جو اس وقت حکمران سیاسی پارٹی کے صدر تھے انڈونیشیا کا نائب صدر مقرر کر دیا۔ فوجیوں کا خیال تھا کہ سدہارمونو جو سوہارتو کے سابق چیف آف اسٹاف بھی تھے بہت زیادہ آزاد خیال ہیں جکارتہ کے ایک سیاسی مبصر کا کہنا ہے کہ سوہارتو کے اس اقدام سے فوج کی بڑی رسوائی ہوئی۔ انڈونیشیا کا پڑھا لکھا طبقہ فوج کا طرفدار ہے۔

اگرچہ یہ دبی دبی زبان میں کہا جاتا ہے لیکن جس مسئلے سے لوگوں کو زیادہ ہی تشویش ہے وہ سوہارتو کی اولاد ہے جن پر الزام ہے کہ وہ اپنے باپ کے اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خوب دولت بٹور رہے ہیں۔ ایسے معاشرے میں تھوڑی بہت رورعایت تو جائز ہے لیکن وہ بہت بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایک مغربی سفارت کار کا کہنا ہے "ملک میں کئی بڑے اداروں اور صنعتوں پر صدر کے خاندان والوں کی پوری پوری اجارہ داری ہے" اور اس طرح وہ برابر دولتمند ہوتے جا رہے ہیں سوہارتو کا ایک بیٹا ملک کی سب سے بڑی تجارتی کمپنی پر قابض ہے صدر سوہارتو اپنے خلاف دباؤ کو محسوس کر رہے ہیں گزشتہ ستمبر میں اپنی ایک تقریر میں انہوں نے اپنے مخالفوں کو متنبہ کیا "اگر انہوں نے مجھے غیر آئینی طور پر ہٹانے کی کوشش کی تو میں ان کا بھرکس نکال دوں گا خواہ وہ سیاستدان ہوں یا فوجی جنرل" کسی کو بھی یہ امید نہیں کہ ۱۹۹۳ء سے قبل وہ اقتدار چھوڑ دیں گے اور انہوں نے کسی کو اپنا جانشین بھی نہیں منتخب کیا ہے اگر انہوں نے اگلے انتخابات میں نہ کھڑے ہونے کا فیصلہ کر لیا تو کابینہ اور فوج میں درجنوں ایسے امیدوار ہیں جو صدارت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے لیکن بہت سے مبصرین اب بھی شرط لگانے پر تیار ہیں کہ سوہارتو ایک بار اور صدارت کے امیدوار ہوں گے کیونکہ ان کے خاندان والوں کے مفادات اسی صورت میں محفوظ رہ سکیں گے اور اگر انھوں نے ایسا کرنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر کوئی بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکے گا

## مستقبل کا ایک ایندھن

غلام محی الدین

عنقریب گیسولین کے بجائے موٹر کاروں میں صاف بغیر دھوئیں کے پیٹرول کا نعم البدل ایندھن استعمال ہونے لگے گا اس تبدیلی پر موٹروں کے مالکان ناراض ہونے کے بجائے خوش ہوں گے اس قسم کے نئے ایندھن جلد ہی مارکیٹ پر چھا جائیں گے۔ کیونکہ میتھانول پر چلنے والی کاریں ماحول کو آلودہ نہ کریں گی اور زیادہ تیزی سے دوڑیں گی۔

یہ کیا کسی موٹر کمپنی کا صدر بول رہا ہے؟ قطعی نہیں بلکہ ماحول کو آلودگی سے پاک صاف رکھنے والا خیر خواہ اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہے۔

اتنے میں امریکی صدر نے موٹر کار کارخانوں کو ہدایت کی کہ ۱۹۹۵ء تک میتھانول سے چلنے والی ۵ لاکھ گاڑیاں تیار کی جائیں اور دو سال بعد ان کی تعداد بڑھا کر ۷ لاکھ سالانہ کر دی جائے اس منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کئی بلین ڈالر کے اخراجات سے نئے کارخانے نصب کرنے پڑیں گے۔ جنہیں تیل کمپنیاں چاروں شانے چت کرانے پر تلی بیٹھی ہیں وہ ضرر رساں دھواں خارج کرنے والا گیسولین تیار کرنے کی اسکیمیں سوچ رہی ہیں۔

موٹر ساز کارخانے تو ہر حالت میں پھلنا پھولنا چاہتے۔ ان کی بلا سے کاریں کوئی سا ایندھن چلے۔ البتہ انہوں نے موٹروں کے لئے مستقبل کے ایندھنوں میں میتھانول بھی شامل ہے۔ تحقیق شروع کر دی بلکہ ایسی کاریں تیار کرنے کا منصوبہ بنایا جو گیسولین اور میتھانول دونوں پر چل سکیں۔

اس وقت میتھانول یا ایتھل الکوحل ہی سب سے زیادہ امید افزا نعم البدل نظر آتا ہے کئی ایک ریس کاروں میں آزمایا گیا۔ دوسرے یہ کار کی حرکت میں بڑا محفوظ ثابت ہوتا۔ جلد طاقت و قوت پکڑتا اور صاف ستھرا ہوتا اس لئے انجن ۲۰ فیصد زیادہ گھوڑوں کی قوت ظاہر کرتا۔ بخارات بن کر بھی کم مقدار میں اڑتا۔ سرد ممالک میں دھند اور کہر میں کمی لاتا۔

اس لئے اب موٹر کاروں کے لئے کون سا ایندھن استعمال کیا جائے؟

اس میں ایک نقص یہ ہے کہ لوہے کے پرزوں کو بہت جلد زنگ آلودہ کرتا۔ انجن کے تیل کو لیس دار بنا دیتا، جس کی وجہ سے کاریں زیادہ میتھانول کھانے لگتی ہیں۔

اس ضمن میں بیٹریوں پر چلنے والی کاروں کا ذکر بھی چھیڑا۔ کیونکہ کوئی بھی بیٹری جو ایک گیلن گیسولین کے برابر توانائی فراہم کرے گی۔ وزن کئی سو پونڈ میں ہوگی اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ میل تک کا فاصلہ طے کر سکے گی۔ پھر اسے دوبارہ چارج کرنے پر گھنٹوں صرف ہوں گے۔

ایتھانول جسے ۲۰۰ پروف ووڈکا بھی کہہ سکتے۔ بڑا پچ۔ ماحول کو صاف رکھنے والا ایندھن ہے جو لوہے کو زنگ آلود نہیں کرتا۔ اور خوب طاقت و قوت فراہم کرتا اسے مکئی یا گنے سے تیار کیا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے امریکہ کی تمام فصل مکئی استعمال کرنی پڑے گی۔ تب بھی امریکہ میں موجود ایک تہائی کاروں کے لئے ایتھانول مہیا ہو سکے گی۔

اب مستقبل کا ایندھن تلاش کرتے قدرتی گیس پر نگاہ آن ٹھہری جو سخت دباؤ کے تحت مضبوط ٹینکی میں رکھی جا سکتی ہے آج بھی ہزاروں کاریں اور ٹرک اٹلی، ہالینڈ، نیوزی لینڈ اور کینیڈا میں اسی گیس پر چلتے بلکہ یہ گیس تو گیسولین سے زیادہ آکٹین کی قوت رکھتی۔ پھر اس کے استعمال سے انجن پر کوئی مضرت رساں اثرات بھی نمودار نہ ہوئے۔

البتہ گیس پر چلنے والی گاڑیوں کو ایک خطرہ لاحق رہتا؛ یعنی دھماکہ! مگر تجربات نے دھماکے کا خوف کم کر دیا اب گیس ذخیرہ کرنے کا مسئلہ ابھرا۔ عام طور پر گیس سے بھری ٹینکی کسی موٹر کار کو سو میل لے جا سکتی خواہ گیس کو ۲۰۰ گنا دباؤ سے کمپریس ہی کیا گیا ہے۔

اس لئے قرعہ فال میتھانول پر پڑا۔ جسے لکڑی سے حاصل کردہ الکوحل بھی کہتے — اور جو پینے میں سخت مضر ثابت ہوتی۔ یہ سیال مادہ جسے کسی دباؤ کی ضرورت نہیں پمپوں پر دستیاب ہو سکتا۔

بہت سے لوگ میتھانول کے خلاف ہیں کیونکہ سخت سردی میں کار کو اسٹارٹ نہیں کر سکتا۔ اس کو استعمال کرتے وقت انجن کا تیل بہت کم وقفہ کے بعد بدلنا پڑیگا دوسرے استعمال سے فارمل ڈی ہائیڈ خارج ہوگی جو کینسر کا باعث ہو سکتی ہے۔ تیسرے سورج کی روشنی میں اس کا شعلہ نظر نہیں آتا اس لئے آگ لگنے کی صورت میں زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

یونین میں بیداری اور بے چینی بڑھ رہی ہے
تاجک شاعر گولد (MIR GOLIEV) کا کہنا ہے: "روسی خود ہی نہیں جانتے کہ اس کے بعد وہ کیا کرنے والے ہیں پھر ہم ان سے کیوں پوچھیں کہ ہمارے مسائل کا حل کیا ہے؟"

مسلم لیڈروں کا کہنا ہے کہ کمیونسٹ حکومت کے دوران صحت اور تعلیم کے شعبوں میں بہت سی اصلاحات ہوئی ہیں لیکن ان کی مذہبی، سیاسی اور اقتصادی زندگی بڑی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ ماسکو نے صرف چار سو مسجدوں کو چھوڑ کر باقی تمام ۲۶۰۰۰ مسجدیں بند کر دیں۔ اس طرح انہوں نے تمام دینی درسگاہیں علاوہ دو کے بند کر دیں۔ مسلمان اپنا مذہب صرف اپنی ذاتی کوششوں سے بچا سکے ہیں جبکہ سیکڑوں اور ہزاروں غیر قانونی درسگاہیں اور غیر سرکاری مبلغ انہیں ان کے مذہب سے برگشتہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

اتنی کثیر تعداد کے باوجود مسلمانوں کی وہاں کی حکومت

میں کوئی شنوائی نہیں ہے۔ جب سے ۱۹۲۰ء میں کمیونسٹوں نے مسلمان علاقوں پر قبضہ کیا ہے روس کی پولٹ بیورو میں صرف تین ایسے ممبر رہے ہیں جن کا اسلام سے تعلق تھا۔

اگرچہ وسط ایشیا میں کاکیشس اور دریائے وولگا کی وادی میں جہاں بہت سے مسلمان آباد ہیں وہاں کل روس کی نصف زراعتی پیداوار ہوتی ہے اس کے علاوہ علاقہ معدنی دولت سے بھی مالا مال ہے مگر اس کے باوجود جن علاقوں میں مسلمان آباد ہیں، یونین کے غریب ترین علاقے ہیں۔

مسلمانوں کا کہنا ہے کہ روسیوں نے وہاں کے وسائل اس طرح استعمال کئے ہیں جیسے وہ علاقہ ان کی نوآبادی ہوں۔ مسلمانوں کے طور پر ازبکستان میں کپاس اور قازقستان میں گندم اگائی جاتی ہے لیکن ان دریاؤں کے رخ موڑے گئے اور جھیل ارال جو دنیا کی چوتھی بڑی جھیل ہے سکڑ کر نصف رہ گئی ہے۔ اس کے ارد گرد ریگستان سے نمک اور ریت دور دور تک پھیل گئے ہیں۔ اگرچہ [illegible] کی اصلاحات کے بعد روسی [illegible] زیادہ [illegible] ہوا ہے لیکن اب بھی

روس کے اس علاقہ میں جہاں مسلمان آباد ہیں کوئی بیرونی سفارت خانہ نہیں ہے اور نہ ہی غیر ملکی صحافی ان علاقوں میں جا سکتے ہیں روس میں مسلمانوں کے حالیہ شور و غوغے کو اب بھی شک و شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ ترکستان میں پیش آنے والے واقعات کو مغربی پریس نے کوئی اہمیت نہیں دی۔

سوویت روس میں آباد تمام بڑی اسلامی قوموں کے پڑوسی ممالک سے رشتہ داریاں ہیں وہ ایک ہی مذہب کے رشتہ میں منسلک ہیں۔ اس لاکھ تاجک اور دس لاکھ ازبک افغانستان میں آباد ہیں چار لاکھ ترکمان ایران میں رہتے ہیں قازقستان اور کرغیزی کی سرحدیں چین سے ملتی ہیں جہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے۔

اگرچہ روسی مسلمان اسلام کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن وہ مذہب کے نام پر آزادی مانگنے سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ اس طرح انہیں ڈر ہے کہ اسے ایک مذہبی تحریک کہہ کر دبا دیا جائے گا۔ روسی مسلمانوں میں انتہا پسند بڑی اقلیت میں ہیں اور وہ بکھرے ہوئے ہیں۔

امیر طاہری جس نے حال ہی میں ایک مشہور کتاب شائع کی ہے کہتا ہے: "مسلم علاقوں کے لئے اپنی آزادی دوبارہ حاصل کرنے کی راہیں کھلی ہیں کچھ آزادی کے خواب دیکھ رہے ہیں جس کے معنی یہ ہوں گے کہ مملکت روس کا شیرازہ بکھرنے والا ہے"

رسالہ "ترکستان" میں حال ہی میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ سوویت یونین کے مسلمان اپنے مسائل کا حل ــــ چاہتے ہیں وہ انقلابی تبدیلیوں کے طلب گار ہیں سوویت یونین کی پندرہ ریاستوں میں سے چھ ایسی ہیں جہاں مقامی آبادی کا ۵۰ سے ۸۰ فیصد حصہ مسلمان ہے۔

دوسرے مسلمان دریائے وولگا کے کنارے جنوبی کاکیشس اور یورال کی پہاڑیوں اور وسطی روس میں کزان کے قریب آباد ہیں کزان میں زیادہ تر کریمیا کے تاتاری ہیں جنہیں جنگ عظیم دوم

نے زمانہ میں اسٹالن نے وہاں آباد کیا تھا۔

آذر بائیجان وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں سے الگ تھلگ ہے۔ اس کی آبادی ۶۹ لاکھ ہے اس میں سے ۸۰ فیصد مسلمان ہیں آذر بائیجان اپنے غیر مسلم پڑوسیوں سے برسر پیکار رہا ہے اس کے پڑوسی ملک آرمینیا کے کچھ لوگ آذر بائیجان کے ایک خطہ میں آباد ہیں جنہیں وہ نکالنا چاہتے ہیں یہاں کے زیادہ تر لوگ شیعہ ہیں فرقہ وارانہ فسادات کے بعد اب وہاں روسی فوج حکمران ہے۔ روسی حکومت آذر بائیجان کی آزادی کے مطالبہ پر بہت پریشان ہے کیونکہ ریاست میں تیل کے ذخائر ہیں اور باکو بڑی بندرگاہ ہے۔

قازقستان کو اس کے رقبہ کی وجہ سے اہمیت حاصل ہے۔ روس کے بعد روسی مملکت میں یہ سب سے بڑی ریاست ہے اور پوری مملکت کا آٹھواں حصہ قازقستان کا خطہ ہے اس ریاست میں بہت سے روسی اور یوکرائن کے کسان بھی آباد ہیں جو گیہوں اگاتے ہیں اور نئی صنعتوں میں کام کرتے ہیں کل آبادی کا نصف تقریباً ایک کروڑ ۶۵ لاکھ مسلمان ہیں اس کے شہر الماتا (ALMA ATA) میں روسی رصدگاہ ہے جہاں سے خلائی تجربے ہوتے ہیں۔

قرغیز کی سرحدیں چین سے ملتی ہیں اور یہ پہاڑی علاقہ ہے یہاں زیادہ تر خانہ بدوش چرواہے آباد ہیں جو جانوروں کی افزائش کرتے ہیں۔ قرغیز میں تقریباً ۴۳ لاکھ مسلمان ہیں۔

تاجکستان ناہموار علاقہ ہے جہاں کئی اونچے اونچے پہاڑ ہیں جن کا سلسلہ پامیر کے پہاڑوں سے ملتا ہے جسے "دنیا کی چھت" بھی کہا جاتا ہے۔ فارسی بولنے والے تاجک وسط ایشیا کے قدیم باشندے ہیں ۱۲۰۰ سال قبل انہوں نے اسلام قبول کیا تھا اور اب بھی اس پر قائم ہیں۔ یہ یونان سے کچھ بڑا خطہ ہے آبادی ۵۱ لاکھ ہے جس کا ۹۰ فیصد مسلمان ہیں۔

ترکمان کی سرحدیں مملکت روس، ایران اور افغانستان سے ملتی ہیں ملک کا بڑا حصہ سیاہ ریت کا ریگستان ہے نخلستانوں میں گندم اور کپاس کی کاشت ہوتی ہے۔ آبپاشی کے جدید طریقے رائج کئے جارہے ہیں تاکہ ریگستان میں زراعت ممکن ہو۔ بھیڑیں پالنا بھی خاص پیشہ ہے اس کے اون سے قالین بنائے جاتے ہیں جو ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ ۳۵ لاکھ کی

باقی صفحہ ۵۰ پر

مشرق وسطیٰ کے ممالک میں پانی کی شدید قلت ہے اور خطرہ ہے کہ کسی وقت بھی بڑے تنازعہ کا باعث بن سکتا ہے مشرق وسطیٰ دنیا کے خشک ترین علاقوں میں سے ہے دیگر یہ کہ اس علاقے میں آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے اس لئے پانی پر دباؤ بڑھتا جارہا ہے۔

دنیائے عرب کے تین بڑے دریاؤں یعنی نیل، دجلہ اور فرات کے منبع غیر عرب ممالک میں ہیں اور دنیائے عرب سے ان کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار نہیں رہتے، برخلاف اسکے جن دریاؤں پر اسرائیل کا دارومدار ہے ان کے منبع ان عرب ممالک میں ہے جن سے اسکی ہمیشہ جنگ رہتی ہے اس علاقہ میں اسرائیل سب سے بڑی فوجی طاقت ہے جو نہ صرف ان ممالک کو پانی بند کرنے سے روک سکتا ہے بلکہ ان سے جنگ پر بھی آمادہ ہو جائے گا۔ پانی کے استعمال سے متعلق ان ممالک کے درمیان کوئی خاص معاہدہ بھی نہیں ہے کہ کون ملک کس دریا کا کتنا پانی استعمال کرنے کا مقدار ہے۔

اس وقت دنیائے عرب کے ۲۲ ممالک کی آبادی جس میں فلسطین بھی شامل ہے اکیس کروڑ کے قریب ہے جو ۲۰۱۰ء میں دگنی ہو جائے گی کیونکہ یہ تین فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے، اسوقت پانی کی اہمیت اس علاقے میں تیل سے بھی زیادہ ہو جائیگی۔

مصری ماہر اقتصادیات مصطفیٰ السعید کا کہنا ہے کہ عرب ممالک کے لئے پانی کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے اور اسے مل جل کر حل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ گذشتہ جنوری میں ایتھوپیا نے یہ اعلان کیا کہ وہ آبپاشی اور بجلی پیدا کرنے کے لئے دریائے نیل پر بند باندھ رہا ہے اس خبر سے سوڈان کو بھی پریشانی لاحق ہو گئی کیونکہ وہ اپنی ۸۲ ملین ہیکٹر زرعی زمین کی دریائے نیل سے آب پاشی کرتا ہے اس نے ایتھوپیا سے اسکے اس ارادے کے خلاف شدید احتجاج کیا کہ وہ عرب ممالک کو بھوکا مارنے کا ارادہ رکھتا ہے

مصر کا ۹۶ فیصد علاقہ ریگستانی ہے اور اسکی ۹۰ فیصد زرعی زمین کا انحصار نیل سے آبپاشی پر ہے اور ۹۶ فیصد لوگ نیل کا پانی پیتے ہیں دریائے نیل پر تعمیر اسوان بند سے بجلی کی ۸۵ فیصد ضروریات پوری ہوتی ہیں، مصر کے وزیر خارجہ ڈاکٹر بطرس غالی (BUTROS GHALI) کا کہنا ہے کہ پانی کے تنازعہ پر جنگ کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

گزشتہ جنوری دریائے فرات کے پانی پر بھی تنازعہ شروع ہو گیا یہ دریا ترکی سے نکلتا ہے اور شام و عراق سے گزرتا ہے نیل کی طرح یہ بھی اپنی تہذیب کے لئے مشہور ہے ترکی نے تیرہ جنوری سے ایک ماہ کے لئے اپنا بند بنانے کی غرض سے دریا کی روانی روک دی۔ شام نے اس منصوبے کو روک دینے کی اپیل کی تھی کیونکہ آبپاشی اور بجلی کی پیداوار کا انحصار اسی دریا پر ہے بغداد نے بھی اسکو متنبہ کیا تھا کہ زیادہ عرصہ پانی کا بہاؤ رکنے سے شدید نقصانات ہونگے، ترکی نے اسکے جواب میں یہ کہا کہ اس نے پانی کی روانی کبھی نہیں روکی اور دریائے فرات اور اسکے معاون دریاؤں کا بہاؤ برابر جاری رہا ہے البتہ بہاؤ کی رفتار کچھ کم کردی گئی تھی۔

عرب ممالک کے خطرات دور کرنے کے لیے ترکی نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ وہ ایک پائپ لائن کے ذریعے دریا کا پانی شام، اردن، لبنان، اسرائیل اور مقبوضہ مغربی کنارے یہاں تک کہ خلیج کے ممالک میں بھی پہنچائے گا لیکن اس کی قیمت وصول کرے گا یہ پانی ترکی کے دو اور چھوٹے دریاؤں سے آئے گا جو زیادہ استعمال میں نہیں آتا اور بہت سا پانی بحر روم میں بیکار بہہ جاتا

باقی صفحہ ۳۶ پر

# ملک دشمن عناصر کی سرگرمیاں

## اپنے ضمیر سے تین سوال

ہم نے کیا چاہا تھا؟ ہم کیا کرتے رہے ہیں۔ اور ہم نے کیا کھویا تھا؟ یہ تین سوال ایک جو ہمیں دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ ہم نے وہ اصل چاہا تھا اسے حاصل کرنے کی کوشش بھی کی۔ ہم کچھ نہیں بھی اس کے تاریخ وار تجزیے کے بارے میں بھی سوچا نہیں۔ اور ہم نے کیا کھویا ہے آج بھی اس کے احساس سے بھی کچھ زیادہ سنجیدہ نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ منزل سے قریب ہو کر بھی بدقسمتی سے ہم اس منزل سے کوسوں دور ہو گئے۔ اور اس طرح خود ہماری کوتاہ اندیشی کی وجہ سے قوم بھی ان حادثات کا شکار ہوئی۔ وہ اپنی عظمت، شوکت اور عزت کھو بیٹھی۔ آیئے آج آپ اور ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں اور اپنے مستقبل کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں اس کے لئے سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ کوئی لائحہ عمل تجویز کریں۔

ہم نے کیا چاہا تھا؟ چالیس کروڑ کی آبادی والے اس برصغیر میں ہم نے چاہا تھا کہ ہم اپنا وجود قائم رکھیں، اقوام عالم کے دوش بدوش عزت کی زندگی بسر کریں۔ آزاد ہوں، آزاد رہ کر تہذیب و تمدن، معاشرت اور معیشت کی حفاظت کریں۔ ہماری اس خواہش کے راستے میں کئی خونخوار رکاوٹیں تھیں۔ ان کو دور کرنے کے لئے ہم نے منظم طور پر جدوجہد بھی کی تھی۔ ان خونخوار عناصر نے ہمارا چالیس کروڑ کی متحدہ قومیت پر خط تنسیخ کھینچ کر ہم نے دس کروڑ کی مسلم قومیت کا پرچم بلند کیا تھا۔ ہم جانتے تھے کہ ہم دس کروڑ اس برصغیر میں ایک منفرد اور مستحکم قومیت رکھتے ہیں۔ ہماری تہذیب، تمدن، معاشرت اور معیشت اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتی جب تک اس کو ہمارا شرکت غیرے اپنا نظام نہ ہو جائے۔ دنیا جانتی ہے کہ ہماری اس خواہش کو تائید ایزدی حاصل ہوئی۔ اقوام عالم نے دیکھا کہ خوش بخت ہم نے اس مقصد کو پایا جس مقصد کے لئے قدم بڑھائے گئے تھے اور یہی مقصد تھا جو

پاکستان کی اساس و بنیاد تھا۔ ہم اپنی تہذیب و تمدن، معاشرت اور معیشت کو محفوظ و مامون کرنے کے قابل ہو گئے۔ ہماری کامیابی جہاں اقوام عالم کے لئے باعث رشک بنی، خود ہمارے لئے بھی وجہ افتخار داستان ثابت ہوئی۔

ہم کیا کرتے رہے، ہم غلام تھے، آزاد ہو گئے۔ محکوم تھے حاکم ہو گئے۔ مغلوب تھے، ہمیں غالب ہونے کی عزت ملی۔ حقیر تھے قابل احترام ہونے کا اعزاز ملا۔ اگرچہ بے ہتھیار و بے سہارا تھے مگر ہماری طاقت سے دنیا کی سب سے بڑی طاقت گھبرا گئی۔ بدنصیب تھے نعمتوں سے بہرہ مند ہوئے اور سب سے بڑی بات کہ ہم روئے زمین پر اپنا اور خالص اپنا نظام

**دہشت گرد اور غنڈوں کی پشت پر طاقتور افراد کا ہاتھ ہے۔**

حیات قائم کرنے کے دعویٰ تسلیم کر لئے گئے تھے۔ ایسی فتح مندی، ایسی عزت و عظمت، ایسی شوکت و سطوت اس بیسویں صدی میں شاید ہی کسی قوم کے حصے میں آئی ہو۔ ہم پر خود اپنی قبول کی ہوئی بہت بڑی ذمہ داری آن پڑی تھیں!

مگر ۔۔۔ ہم نے بہت جلد اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کی۔ حرص و ہوس کے چراغ روشن ہوئے تو مقصد کی شمع بجھ گئی۔ جس قومیت کا جامہ زیب تن کر کے نہایت آسانی کے ساتھ ہم اپنی حقیقی منزل کے قریب آئے، اس کو خود اپنے ہاتھوں سے تار تار کر دیا اور پھر منزل ہم سے دور اور بہت دور ہوتی چلی گئی۔ منزل نہیں۔ خود ہم منزل سے دور ہو کر گم کردہ راہ ہو گئے۔ ہم نے وہ سب کچھ اپنا لیا جس کا صدیوں سے

دیا کرتے تھے۔ ہم نے رشوتوں، غلاظتوں اور بدافعالیوں کی اتنی قسمیں ایجاد کیں کہ اس سے پہلے کوئی ان کا تصور نہ کر سکتا تھا۔ ہم نے اتنے فریب کئے کہ فریب کاری، غنڈہ گردی اور گروہی لسانیات کی بدولت خدا کی مغضوب قوم یہود کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ ہم نے اپنے ضمیر کو قتل کر کے دولت کے انبار لگا دیئے اور غریب کی عصمت خریدنے کا کاروبار جاری کیا۔ خدا کا نام لے کر خدا کے احکام سے روگردانی کا ارتکاب کرنے لگے۔ قوم فروشی پر قومی تعمیر کی بنیادیں رکھ دیں۔ غلاظت اور لسانیت کو سیاست کا اور اخلاق کو رجعت پسندی اور بداخلاقی کو ترقی پسندی کا نام دیا، تہذیب و تمدن، معاشرت اور معیشت کی حفاظت کرنے کی بجائے، ہم نے ان سب کو اپنے وطن سے نکال باہر کرنے کا اہتمام کیا۔ ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک قرآن کا جلی عنوان مٹا کر ہم "مذہب، سیاست اور معیشت" کے "تین" خدا تخلیق کرنے لگے، غرضیکہ ہم نے وہ سب کچھ بخوشی و بصد شوق قبول کیا جس کی نفی کرنے کے لئے ہمارا کارواں جادہ پیما ہوا تھا ہم سب کچھ پیچھے دھکیل کر دنیا کی امامت کرنے نکلے تھے اور پرخطر راہوں سے گزر کر شعلوں کے دریا عبور کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود تک پہنچے تھے ۔۔۔ مگر افسوس کہ اپنے نظریات، اپنا نظام حیات، اپنی خودی، اپنی تمنا، آرزو اور نصب العین سبھی کچھ کھو بیٹھے۔ پاکستان کی اساس کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ اندرون ملک دہشت گردوں کا دور دورہ ہے۔ ظلم و تشدد اور بربریت کا علم اٹھائے غنڈے دندناتے پھر رہے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حکومت اور انتظامیہ دونوں ناکام ہو چکی ہیں۔ اس لئے اتنا کہہ دینا ازبس ضروری ہے۔ کاش! ہمیں اس زیاں کا اب بھی احساس ہو جائے۔

---

اس وقت ہمارے سامنے وطن پاک کی تعمیر کا کام ہے اس نازک دور میں ہم ایک ملت کے خاموش معماروں کی جانفشانی کے ساتھ ان تخریب کاروں اور دہشت گردوں کی چیرہ دستیاں

بھی دیکھ رہے ہیں جن کا کردار قوم و ملک کے لئے ایک زحمت بنا ہوا ہے اور وہ کھیل کھیل رہے ہیں وہ آئینہ کی طرح ہمارے سامنے ہے ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ملک دشمن عناصر ملک کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہیں یہ خوفناک صورتحال ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

اس ارض پاک میں ہمارے لئے وہ تمام نعمتیں میسر ہیں جو ایک فرض شناس قوم اپنے وطن عزیز سے مانگ سکتی ہے ہم ان گھوڑوں کو چابک مارنے کے قائل نہیں مگر عزت و ناموس وطن کی خاطر وطن پاک کو ان بدترین دشمنوں کے ناپاک وجود سے خالی کر دینا چاہتے ہیں جن کی سودے بازیوں نے ہم کو تباہی و بربادی کی طرف لا کھڑا کیا ہے۔ جن کے وجود سے ملک میں سازشیں اقتدار کی ہوس، رشوت خوری اقربا پروری دہشت گردی، اسمگلنگ اور ذخیرہ اندوزی نے فروغ پایا۔

مسلمان قوم ہمیشہ سے اپنے کردار و اوصاف کے زریں اصول پیش کرتی رہی ہے لیکن پاکستان دشمنی قوتوں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ ملک میں بدامنی انتشار پھیلا کر ملک کو نقصان پہنچایا جائے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ان مخالف طاقتوں اداروں، جماعتوں اور لسانی تنظیموں نے موقع ملتے ہی ملک کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی؟ کبھی وہ سیاسی بازیگروں کی شکل میں نمودار ہوئے کبھی پیشوائیت کا علم اٹھائے ہوئے اور کبھی لسانی تنظیموں کے روپ میں نمودار ہو کر قوم کے سامنے آئے ان کے ناپاک اداروں کو تقویت پہنچانے کے لئے ہمارے ہی خواص اور حکام نے ان کی سرپرستی کی۔

یہاں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قیام پاکستان سے لے کر موجودہ جمہوری حکومت کے قیام تک ملک بھر میں لوٹ کھسوٹ، دہشت گردی، غنڈہ گردی، ڈکیتیوں اور دیگر جرائم کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے یہ تاریخ پاکستان میں ایک سیاہ اور بدنما داغ ہے جس کی تفصیل یہاں چنداں ضرورت نہیں! غرضیکہ یہ دور ایک ایسا دور ہے جس کی نفسا نفسی میں ہر طرف میدان حشر برپا نظر آ رہا ہے۔

موجودہ جمہوری حکومت کے قیام کے بعد عوام کو بڑی توقعات وابستہ ہو گئیں تھیں کہ جمہوری حکومت کے قیام سے ملک میں بدامنی اور انتشار ختم ہو جائے گا۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو بلکہ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے غیر پسندیدہ عناصر اور ملک دشمن عناصر کی تخریبی خرکرمیاں تیز تر ہوتی جا رہی ہیں جس ملک کو باہر کا کوئی دشمن گزند نہ پہنچا سکا۔ اس کو خود اپنی آستین کے سانپ نگل جانا چاہتے ہیں ان سانپوں کی خوفناک پھنکار سے پاکستان کا بچہ بچہ سہما ہوا ہے۔

## منزل نہیں، خود ہم منزل سے دور ہو کر گم کردہ راہ ہو گئے

پچھلے دنوں ملک کے مختلف حصوں میں اور خصوصاً کراچی میں جو خون کی ہولی کھیلی جاتی رہی ہم خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ ہر طرف غنڈوں اور دہشت گردوں کا راج ہے انہیں پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔ ارباب اختیار بھی خاموش تھے حکومت بھی ان کا محاسبہ کرنے میں تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی تھی! یوں محسوس ہوتا تھا کہ موجودہ حکومت ناکام ہو چکی ہے کچھ دنوں کی بات ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے جرائم پیشہ عناصر اور دہشت گردوں کے گھروں پر چھاپے بھی مارے، ان کے گھروں سے اسلحہ بھی برآمد کیا گیا اور گرفتاریاں بھی ہوئیں لیکن اس کا حاصل کچھ بھی نہیں! کیونکہ دہشت گرد اور غنڈوں کی پشت پر طاقت ور افراد کا ہاتھ ہے ظاہر ہے کہ ان کا ہاتھ ملک میں قانون نافذ کرنے والے اداروں سے بھی لمبا ہے پھر دشمن طاقت ملک بھی پہنچ سکتا ہے؟

اس ضمن میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس سنگین صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں آپس میں اتحاد و یگانگت و یکجہتی کے ساتھ مل کر ان طاقت ور افراد کا محاسبہ کرنا ہو گا ایسی صورت میں ملک کو بچایا جا سکتا ہے ورنہ خدانخواستہ یہ ملک ہی نہ ہو گا تو ہمارا وجود کس صرف کا ہو گا۔ اس ملک میں ہمارے لئے وہ سب کچھ موجود ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے ہمارے مسائل بے حساب ہیں ادھر کشمیری حریت پسندوں کا مسئلہ بھی حل طلب ہے دوسری طرف افغانستان کے مجاہدین کی اولوالعزم مکافتیں ہمارے سامنے ہیں اور دشمنوں کے خطرات ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں ہمارا ہمسایہ ملک بھارت جنگ کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے تیسری طرف مخالفین پاکستان اندرون ملک اپنی کارفرمائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں اور ہم نے داخلی خطرات کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو اور وطن دشمن عناصر کی سرگرمیوں کو نہ روکا تو ملک کی سالمیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ تو پھر آئیے آپ اور ہم مل کر ان وطن دشمن دہشت گردوں اور ان طاقت ور افراد کا محاسبہ کر کے وطن عزیز کی حفاظت کریں جو ملک میں بدامنی اور انتشار پھیلا رہے ہیں!

## بقیہ: پانی پر تنازعہ

ہے اس منصوبہ پر تقریباً ۲۱ بلین امریکی ڈالر صرف ہو گا۔ اور بہت سے سیاسی مسائل حل کرنے ہوں گے۔ اس منصوبے کا نام "امن پائپ لائن" رکھا گیا ہے اور جب تک کہ عرب اسرائیل کے درمیان امن نہ ہو جائے اس تجویز پر عمل بعید از قیاس ہے۔

شط العرب جو دجلہ اور فرات سے مل کر خلیج تک بہتی ہے اس پر عراق اور ایران میں شدید تنازعہ ہے عراق کا شہر بصرہ اسکے کنارے آباد ہے جبکہ ایران کے علاقہ میں آبادان اور خرم شہر دو بڑی بندرگاہیں ہیں ایران اور عراق کے درمیان اسکی سرحد پر عرصے سے تنازعہ ہے اگر کسی طرح شط العرب کے پانی میں فرق پڑا تو یہ دونوں ملکوں کے درمیان دوبارہ جنگ چھڑنے کا سبب بن سکتا ہے ایسے تنازعہ کا انجام کیا ہو گا یہ کہنا مشکل ہے لیکن ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ تاریخی دو مشرق وسطیٰ میں پانی ہی تنازعہ کا [illegible] رہا ہے۔

ماہرین کا یہ خیال ہے کہ دریائے اردن اور یرموک کے پانی کی تقسیم پر تنازعہ سنگین صورت اختیار کر سکتا ہے کیونکہ اس میں اسرائیل، لبنان، اردن اور شام چاروں ممالک ملوث ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اسرائیل نے مشرق وسطیٰ میں [illegible] میں جو جنگ چھیڑی تھی اور [illegible] میں لبنان پر جو حملہ کیا تھا اس کا مقصد بھی کسی قابل اعتبار پانی کے سرچشمہ پر قبضہ کرنا تھا۔

اسرائیل کی آبادی یہودیوں کی نقل مکانی کی وجہ سے ہر سال ۳ء۲ فیصد بڑھ رہی [illegible] سے اس نے اپنا زرعی علاقہ ساٹھ گنا کر لیا ہے لہٰذا اب ۳۰ فیصد پانی کی کمی کا سامنا ہے اردن کو ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ اسرائیل دریائے اردن کا پانی جو دونوں ملکوں میں بہتا ہے اس میں سے اپنے حصے سے زیادہ پانی استعمال کر لیتا ہے خیال ہے کہ [illegible] تک اردن کی اپنی پانی کی ضروریات میں [illegible] کا اضافہ ہو جائے گا۔

جہلم

برکات چوہدری

# ○ جہلم میں نواز شریف کی آمد
# ○ پاکستان پیپلز پارٹی کا جلسہ
# ○ پہلا دھماکہ

گذشتہ ہفتے جہلم میں جب [illegible] کے بڑے جلسوں کا اعلان کیا اور [illegible] کے اعلان پر پاکستان پیپلز پارٹی نے بھی ایک بڑا [illegible] جلسہ [illegible] جہلم میں اپنے جلسہ عام کا اعلان کیا اور وقت بھی وہی رکھا جب نواز شریف جہلم میں موجود ہوں گے کیونکہ ایک بجے دن کا وقت نواز شریف کی جہلم آمد کا وقت تھا پیپلز پارٹی (پنجاب) کے صدر فخر زمان جنرل سیکرٹری (پنجاب) ممتاز احمد کاہلوں و دیگر رہنما پونے گیارہ بجے ڈھول تاشے کی دھن میں جہلم پہنچ گئے۔ پیپلز پارٹی کا [illegible] جہلم میں جلسہ عام کا تھا لیکن اس نے اپنے پروگرام کو تبدیل کر دیا جہلم [illegible] خطاب [illegible]

[illegible]

کہ ایم این اے یا ایم پی اے مر جائے چوہدری الطاف حسین نے دوران تقریر کہا کہ یہ بات صحیح نہیں کہ ہم کسی کے مرنے کی دعا کریں۔ بلکہ دعا یہ کرو کہ یہ ایم این اے اور ایم پی اے زندہ رہیں کیونکہ ان کے احتساب کا وقت قریب ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی (پنجاب) کے صدر فخر زمان کی تقریر کے دوران جب بینر مزید اونچے کر دیئے گئے تو فخر زمان نے کہا کہ میری بات سنو میں اس سے اہم باتیں کر رہا ہوں لیکن بینر دیے رہے۔

فخر زمان نے کہا کہ پیپلز پارٹی کے کارکنوں پر جھوٹے مقدمات قائم کرنے والے افسروں کو ہم معاف نہیں کریں گے۔ ان کے نام نوٹ کر لو ان کو ہم عدالت میں لائیں گے۔ ان کا احتساب ضرور ہو گا۔

چوہدری ممتاز احمد کاہلوں نے نہایت ہی مختصر تقریر کی کیونکہ حاضرین کا جلسے گاہ سے چلے جانے کو انہوں نے خود محسوس کر لیا تھا مقامی مقررین کی طویل تقریروں کی وجہ سے ممتاز کاہلوں اور فخر زمان [illegible] ہی جلسہ گاہ

سے جا چکا تھا۔

ڈاکٹر غلام حسین نے کہا کہ منافقت بُری ہے پارٹی میں ہو یا ملک میں ہو۔ غیر جماعتی انتخابات کے نتیجہ میں نا اہل لوگ ہمارے سروں پر مسلط ہو گئے ہیں۔ ہم ان لوگوں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کریں گے انہوں نے کہا کہ حلقہ ۹۹ کے انتخاب میں ہمارے کارکنوں نے تن من دھن کی بازی لگا کر سرمایہ داروں اور ان کے ایجنٹوں کو بھگا دیا ہے انہوں نے مولانا نورانی کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ نظام مصطفےٰ نافذ ہو گیا ہے؟ جو تم دستبردار ہو گئے۔ علامہ مولانا شاہ احمد نورانی کو میں سلام کرتا ہوں انہوں نے جمہوری سوچ کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔

بظاہر جہلم میں پیپلز پارٹی کے لوگ تمام تر اختلافات ختم کر کے ایک پلیٹ فارم پر موجود ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مرزا محمد رفیق کے ضلعی چیئرمین نامزد ہونے پر چوہدری الطاف حسین گروپ نالاں ہے کیونکہ ڈاکٹر غلام حسین کی مرزا رفیق کو حمایت حاصل ہے اور چوہدری الطاف حسین گروپ نے ڈاکٹر غلام حسین گروپ کو دلی طور تسلیم نہیں کیا ہے۔

یاد رہے کہ پیپلز پارٹی نے سابقہ الیکشن ۱۹۸۱ء میں چوہدری الطاف حسین کو جہلم شہر سے قومی اسمبلی کا ٹکٹ دیا تھا۔ ڈاکٹر غلام حسین نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑے۔ یہ دونوں ہار گئے اور آئی جے آئی کے امیدوار راجہ محمد افضل کامیاب ہو گئے۔ اب اگر ڈاکٹر غلام حسین کو ٹکٹ ملنے کے امکانات روشن ہوئے تو چوہدری الطاف حسین ضرور کسی دوسری پارٹی میں شمولیت کے لئے تیار ہو گئے۔ یا پھر آزاد امیدوار کی حیثیت سے قسمت آزمائی کریں گے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ عنقریب اس مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر چوہدری الطاف حسین پیپلز پارٹی کی مرکزی قیادت سے رابطہ کریں گے اور دریافت کریں گے کہ غلام حسین کس حیثیت سے پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے ہیں۔ اور اب ان کی پارٹی میں پوزیشن کیا ہے۔؟

جہلم میں اب عام سیاسی کارکن محسوس کر رہے ہیں کہ اب دوسری سیاسی جماعتوں کے جلسے بھی عنقریب یہاں منعقد ہوں گے جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی کے جلسے کے اثرات کے خاتمہ کی کوشش آئی جے آئی مزید کرے گی اسی روز نواز شریف جہلم آئے اور چوہدری خادم حسین ایم پی اے کی دختر کی رسم نکاح کے سلسلے میں منعقدہ تقریب میں انہوں نے شرکت کی جہلم کی مشہور و معروف شخصیت اور گوجر برادری کے سربراہ چوہدری فضل داد مرحوم کے ڈیرہ پر بھی مختصر قیام کیا۔

چوہدری خادم حسین نے اپنی دختر نیک اختر کی اس تقریب کو بڑی دھوم دھام سے منعقد کرنے کی اپنی پوری کوشش کی۔ علمائے کرام کے علاوہ تمام طبقات کے افراد کو دعوت دی گئی۔ اپنی برادری، سیاسی دوستوں کو مدعو کیا گیا لیکن اپنے علاقے کی کسی قابل ذکر مذہبی شخصیت کو مدعو نہ کیا جبکہ الیکشن کے دوران چوہدری خادم نے تمام مکاتب فکر کے علماء کی خدمت میں نیازمندانہ حاضری دیکر ان کا تعاون حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی اور علماء کرام نے تعاون بھی خوب کیا تھا۔ چوہدری مذکور کا اپنے علاقے میں متعارف ہونے کا ایک ذریعہ علماء اہل سنت کی کوششیں بھی تھیں اور خصوصی طور پر غیر جماعتی الیکشن میں تو ان علماء نے چوہدری خادم حسین کو سنی ظاہر کیا اور اس کے مدمقابل انور پاشا کو وہابی ظاہر کر کے چوہدری خادم کی دل کھول کر حمایت کی لیکن الیکشن میں کامیابی کے بعد چوہدری خادم حسین نے سنی علماء کا شکریہ تک ادا نہ کیا بلکہ انور پاشا کے ہم مسلک مولوی عبداللطیف دیوبندی کی خدمت میں راجہ افضل راجہ خالد، راجہ عظمت کمال کے ہمراہ پورے گروپ نے حاضری دی۔

علماء کی بھی ایک طاقت ہے جس کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ جہلم اہلسنت کا گڑھ ہے لیکن تنظیم کا وجود ناپید ہے۔ اہل سنت والجماعت کی نمائندہ تنظیم جمعیت علماء پاکستان کی ضلعی قیادت میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو آئی جے آئی کے جلسوں میں بھرپور شرکت کر کے رہنمایان آئی جے آئی کو اپنی ہمدردیاں جتلاتے ہیں۔ چند ماہ قبل جب دینہ ضلع جہلم میں جلسہ عام میں نواز شریف نے خطاب کیا تو جہلم میں جمعیت علماء پاکستان کے امیدوار برائے قومی اسمبلی قاری محمد یوسف سیالوی نے تلاوت کی۔ آئی جے آئی کے کئی جلسوں میں قاری یوسف اپنی شرکت اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتے ہیں۔ جمعیت کے موجودہ ضلعی صدر مرزا امداد نے وفد کے ہمراہ اس دینہ کے جلسہ میں شرکت کی اور آئی جے آئی کے رہنماؤں کو اپنے تعاون کا عملاً یقین دلایا جبکہ الیکشن کے دوران آئی جے آئی کے امیدوار کے حق میں انتخابی مہم بھی جمعیت کے ضلعی صدر نا مقام نے چلائی جبکہ شیخ نادر حسین، تحصیلی صدر جے یو پی مقامی سیاسی رہنماؤں سے اپنا خصوصی تعلق رکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں

جمعیت علماء پاکستان کے ان ضلعی رہنماؤں کی اس دوغلی پالیسی نے جمعیت کو خوب نقصان پہنچایا ہے اور مخلص کارکن ان رہنماؤں کی فریبی چالوں سے مزید پریشان ہیں۔ ان مفاد پرست ضلعی رہنماؤں کے رویے نے جمعیت کی ساکھ کو نقصان پہنچایا ہے۔ اب جمعیت کو یہاں فعال بنانے کے لئے وقت لگے گا۔ اگر یہاں بھرپور کوشش کی جائے تو آئی جے آئی اور پیپلز پارٹی کے مقابلہ میں تیسری قوت جے یو پی کی صورت میں ابھر سکتی ہے لیکن اس کے لئے جمعیت کے اسٹیج پر فعال قسم کے جمعیت کے مخلصین کو لانا ضروری ہے

گزشتہ ہفتے یہاں ریلوے روڈ پر بم کا ایک زبردست دھماکہ ہوا جس میں پانچ افراد زخمی ہو گئے دھماکہ اتنا شدید تھا کہ پورا شہر ہل کر رہ گیا تفصیلات کے مطابق پونے ایک بجے کے قریب ایک فوٹو گرافر اختر عالم کی دکان میں بم کا دھماکہ ہوا جس سے ایک شخص بشارت کی ایک ٹانگ اڑ گئی اور ایک دوسرا شخص نثار شدید زخمی ہوا بم کے ٹکڑے لگنے سے تین راہگیر بھی زخمی ہو گئے تمام زخمیوں کو ہسپتال داخل کرا دیا گیا ہے بم سے فوٹو گرافر کی دکان کے علاوہ ۱۵ ملحقہ دکانوں کو بھی نقصان پہنچا ہے شہر کی تاریخ میں ہونے والے اس پہلے بم دھماکے نے خوف و ہراس پھیلا دیا ہے۔ ضلعی انتظامیہ نے موقعہ پر پہنچ کر ضروری کارروائی شروع کر دی ہے

## گوجرانوالہ

ابو یاسر اظہر فاروقی

# مولانا شاہ احمد نورانی نے قومی اسمبلی اور اس کے باہر جو کارنامے سرانجام دیئے وہ تاریخ کا سنہری باب ہیں

جمعیت علمائے پاکستان مارچ ۱۹۴۸ء کو معرض وجود میں آئی مگر ۱۹۷۰ء تک جمعیت ملکی اور بین الاقوامی سطح پر متعارف نہیں تھی۔۔۔۔ ایک مختصر سے وقت میں جمعیت علمائے پاکستان نے نظام مصطفیٰ کے نام پر عملاً سیاست میں حصہ لیا اور ۱۹۷۰ء میں جمعیت کے آٹھ ارکان اسمبلی کامیاب ہوئے۔ مولانا شاہ احمد نورانی پارلیمانی لیڈر منتخب ہوئے اور قومی اسمبلی کے اندر انہوں نے جو سنہری کارنامے انجام دیئے وہ پاکستانی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے جس کا اعتراف اپنے تو اپنے اغیار بھی کرتے ہیں کہ مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنی جماعت کو مذہبی سطح سے اٹھا کر ملک کی بڑی سیاسی پارٹیوں میں شامل کر دکھایا۔ اس کا کریڈٹ بہر حال مولانا شاہ احمد نورانی کو جاتا ہے جنہوں نے ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین میں مسلمان کی تعریف، صدر اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا، حکومت، انتظامیہ کا مذہب اسلام، صدر مملکت اور وزیر اعظم کے لئے آئینی حلف کی عبارت منظور کرا کے مولانا نورانی نے دہریوں اور غیر مسلموں کے لئے اقتدار کے دروازے بند کرا دیئے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوایا اور وزارت تعلیم سے تنظیم المدارس کی سند کو ایم اے کا درجہ دلوایا۔ اس کے علاوہ مولانا شاہ احمد نورانی نے قومی اسمبلی کے اندر اور باہر جو تاریخ ساز کارنامے انجام

لیتے اسے دیکھ کر ان کے اقتدار کی بنیادیں ہل گئیں۔ وہ اربابِ اقتدار مولانا شاہ احمد نورانی کے وجود کو اپنے لئے بہت بڑا خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اس کے بعد مولانا شاہ احمد نورانی کو کئی نشیب و فراز سے گزرنا پڑا مگر مولانا نورانی نے ہر دور میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے پیشِ نظر پارٹی پرچم کو سرنگوں ہونے سے ہمیشہ بچایا۔ جنرل ضیاء الحق نے جمعیت علمائے پاکستان میں دراڑیں ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کی مگر وہ اس میں ہمیشہ ناکام رہے۔

۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کے دن نے پاکستانی تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ دیا۔ جنرل ضیاء الحق تو شہر خاموشاں کو سدھارے مگر ان کی باقیات اور جانشین رہ گئے۔ جنہوں نے ضیاء الحق کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی تخریبی سرگرمیاں جاری رکھیں جس کا پہلا شکار پاکستان عوامی اتحاد ہوا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے ہمیشہ کی طرح اصولوں پر قائم رہتے ہوئے ایک آمر اور ڈکٹیٹر کے جانشین کے آگے گھٹنے ٹیکنے سے صاف انکار کر دیا۔ اسلامی جمہوری اتحاد کی ہٹ دھرمی اور مکاری کی پرواہ کئے بغیر اپنی پارٹی کو انتخابی عمل سے گزارا اور اس طرح ملک بھر میں ووٹوں کے تناسب سے جمعیت علمائے پاکستان کو تیسری پوزیشن حاصل ہوگئی۔

انتخابی تاریخ سامنے آنے کے فوراً بعد اسلامی جمہوری اتحاد نے اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لئے غلط پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ آئی جے آئی الیکشن جے یو پی کی وجہ سے ہاری ہے اور پی پی کو اقتدار میں لانے والی جے یو پی ہے۔ حالانکہ حالات و واقعات اس الزام کے بالکل برعکس ہیں۔ انتخابات سے قبل جمعیت علمائے پاکستان نے مسلم لیگ سے جو پانچ سالہ تحریری معاہدہ کیا تھا وہ پی پی کی حمایت میں نہیں بلکہ مخالفت میں تھا۔ مسلم لیگ کے صدر محمد خان جونیجو اگر پاکستان عوامی اتحاد میں شامل رہتے تو آج نہ پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار آتی اور نہ ہی نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ ہوتے۔ پیپلز پارٹی کو اقتدار میں لانے کا تمام تر سہرا ان لوگوں کے سر ہے جو دن رات وزارتِ عظمیٰ کے خواب دیکھتے تھے اور پروفیسر طاہر القادری کی طرح خوابوں کی بستی میں بستے تھے۔ آج جمعیت علمائے پاکستان کے اندر جو کچھ ہوا ہے اس کا سہرا بھی نواز شریف کے سر ہے کہ انہوں نے جنرل ضیاء الحق کے جانشین ہونے کا حق ادا کر دیا ہے جو کام جنرل ضیاء الحق اپنے گیارہ سالہ آمرانہ دور میں نہ کر سکے۔ وہ نواز شریف نے مولانا عبدالستار خان نیازی کو ہائی جیک کر کے دکھایا ہے اور اس طرح نواز شریف نے الیکشن ۸۸ء میں ناکامی کا بدلہ جمعیت سے لے لیا ہے لیکن اس کے باوجود تمام تر مولانا شاہ احمد نورانی کی پارٹی پوزیشن مستحکم ہے اور آنے والا وقت ثابت کر دے گا کہ اصل فتح کس کو حاصل ہوئی ہے۔

اس وقت جمعیت علمائے پاکستان دو دھڑوں میں منقسم ہو چکی ہے اور ایک گروپ کی نمائندگی مولانا نیازی کر رہے ہیں جو جنرل ضیاء الحق کی تقلید کرتے ہوئے اس وقت پارٹی کے صدر، سیکرٹری جنرل، مجلس شوریٰ و عاملہ اور سپریم کونسل تک سب کچھ خود ہیں جبکہ مولانا شاہ احمد نورانی حسبِ دستور ۲۸ مئی ۹۰ء تک اپنی پارٹی کے آئینی صدر ہیں۔

الیکشن ۸۸ء کے بعد جمعیت علمائے پاکستان میں اختلافات اس وقت شروع ہوئے جب وزیر اعظم پاکستان کو اعتماد کا ووٹ دینے کا مرحلہ آیا۔ دن کو عورتوں کی مخصوص نشستوں، اسپیکر قومی اسمبلی و ڈپٹی اسپیکر کے لئے مولانا عبدالستار

خان نیازی نے اپنا ووٹ پیپلز پارٹی کی خواتین امیدوار کو دیا جبکہ اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کے لئے بھی مولانا نیازی ملک معراج خالد اور بیگم اشرف عباسی کو اپنا ووٹ دیا جن کا تعلق حکمران پیپلز پارٹی سے ہے۔ اسی طرح دوسرے ارکان جنرل ایم ایچ انصاری، ڈاکٹر شیر افگن اور ڈاکٹر ذوالفقار بُرق نے بھی مولانا عبدالستار خان نیازی کی تقلید کرتے ہوئے اپنے اپنے ووٹ کا استعمال کیا۔ شام کو وزیر اعظم نے اعتماد کا ووٹ لینا تھا۔ جس پر مذکورہ تینوں ارکان نے مولانا نیازی سے کہا کہ شام کو کیا کرنا ہے۔ مولانا نیازی نے کہا کہ شام آئے گی تو دیکھیں گے۔ شام کو جنرل انصاری، شیر افگن، ذوالفقار بُرق تو قومی اسمبلی میں پہنچ گئے مگر مولانا نیازی نہیں پہنچے۔ ان حالات میں مذکورہ ارکان نے مولانا نیازی کا انتظار کیا مگر تاخیر کے بعد تینوں ممبروں نے باہمی مشورہ کیا کہ مولانا نیازی نے دن کے وقت خود جو اپنا ووٹ پیپلز پارٹی کے حق میں استعمال کیا ہے۔ شاید اب بھی یہی فیصلہ ہو۔ اسی غلط فہمی کی بناء پر انہوں نے اپنا ووٹ وزیر اعظم کے حق میں استعمال کیا۔ بہرحال مولانا عبدالستار خان نیازی کی ذمہ داری تھی کہ پارلیمانی لیڈر کی حیثیت سے وہ اپنے ارکان کو قبل از وقت آگاہ کرتے۔ وزیر اعظم کو اعتماد کا ووٹ دینے کا فیصلہ نہ تو مجلس شوریٰ و عاملہ نے کیا اور نہ ہی اعلیٰ قیادت نے حالات کے مطابق اس کی ذمہ داری مولانا نیازی کو سونپی گئی کہ وہ خود فیصلہ کر لیں۔ بعد ازاں جمعیت نے اپنے ارکان سے جواب طلبی کی تو ارکان نے معذرت کر لی کہ ہم غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ اسی دوران مولانا نیازی اور ڈاکٹر شیر افگن نیازی کی آپس میں ٹھن گئی۔ مولانا نیازی نے سخت مؤقف اختیار کیا تو جمعیت کے متعدد اعلیٰ ارکان نے مولانا نیازی کو مشورہ دیا کہ آپ نرم ہاتھ رکھیں۔ اس طرح ہمارا ایک ایم این اے کھو جانے کا خطرہ ہے۔ مگر مولانا نیازی نے کسی کی نہ سنی۔ ان اختلافات کی بناء پر شیر افگن نے وزارت کا قلمدان سنبھالا تو فلور کراسنگ کی بناء پر مولانا نیازی ہی انہیں خلاف ورزی کی بناء پر نوٹس جاری کرنے کے مجاز تھے۔ لہٰذا مولانا نیازی نے ڈاکٹر شیر افگن کو جو نوٹس جاری کیا۔ وہ شیر افگن کی بجائے میانوالی کے عوام کو موصول ہو گیا۔ اور اس طرح اس کی فوٹو کاپیاں تقسیم ہوئیں جیسے کسی نے خیرات کا در کھول رکھا ہو۔ اس بناء پر شیر افگن مولانا نیازی سے مزید برہم ہو گئے اور انہوں نے ہر قدم مولانا نیازی اور جمعیت کے برعکس اٹھانا شروع کر دیا۔

تحریک عدم اعتماد کے موقع پر مولانا عبدالستار خان نیازی نے متحرک کی حیثیت سے اس میں حصہ لیا جبکہ جماعت کی اکثریت مستقبل کی ناکامی اور رسوائی سے بچنا چاہتی تھی۔ مگر مولانا نیازی اس میں پیش پیش تھے۔ جمعیت کے سربراہ علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنے غیر ملکی دورے سے وطن واپسی پر اس سے اصولی اختلاف کیا اور کہا کہ میں تحریک عدم اعتماد کے حق میں نہیں ہوں مگر جمہوری روایات کے پیشِ نظر مولانا نیازی کے فیصلے کو قبول کرتا ہوں۔ اسی دوران متحدہ اپوزیشن کے لیڈر غلام مصطفیٰ جتوئی سے مل کر ایک ڈرافٹ تیار کیا گیا جس کی منظوری کے لئے مرکزی صدر مولانا شاہ احمد نورانی کی اجازت ضروری تھی۔ جب ڈرافٹ ان کے سامنے پیش کیا گیا تو مولانا شاہ احمد نورانی نے اس پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے کہ متحدہ اپوزیشن سے کوئی سمجھوتہ کیا جائے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کا یہ فیصلہ درست تھا کہ جماعت اسلامی اور ایم کیو ایم اور بے وفا مسلم لیگ سے ہم سمجھوتہ کر کے اپنی تاریخ کو داغدار کیوں ہونے دیں مگر مولانا نیازی نے اس کا منفی اثر قبول کیا۔

بعد ازاں حلقہ نمبر ۹۹ این اے کے ضمنی انتخابات کا مرحلہ آیا تو جمعیت علمائے پاکستان کی مرکزی مجلسِ شوریٰ و عاملہ نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اس حلقہ میں سیاسی طور پر

ہے مولانا [illegible] کے لئے جمعیت اپنا امیدوار کھڑا کرنے لگی جس پر مولانا نیازی نے پارلیمانی بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے مولانا عبدالغفور الوری کو جمعیت کی طرف سے ٹکٹ جاری کر دیا اور مولانا الوری کو اس علاقہ میں نہایت موزوں امیدوار قرار دیا۔ مولانا الوری کو ٹکٹ جاری کرنے کے بعد مولانا عبدالستار خان نیازی نے اسلامی جمہوری اتحاد سے کہا کہ وہ اپنا امیدوار جمعیت کے حق میں بٹھا لیں کیونکہ اس سے قبل ہم نے قربانی دی ہے اس مرتبہ آئی جے آئی نظام مصطفےٰ ﷺ کے لئے یہ قربانی دے مگر مولانا نیازی کی اپیل کو آئی جے آئی والوں نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس کے بعد آئی جے آئی والوں نے مولانا نیازی سے خفیہ ملاقاتیں کیں اور انہیں اپنا ہم خیال بنا لیا۔ جس کا اظہار مولانا نیازی نے پنجاب جمعیت کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں کیا تو جمعیت کے مرکزی نائب صدر جنرل کے۔ ایم۔ اظہر نے کہا کہ مولانا آپ کی بات غیر دستوری ہے کہ مرکزی مجلس شوریٰ کے فیصلے کو صوبائی مجلس شوریٰ بدلنے کی مجاز نہیں ہے۔ اگر آج آپ نے اپنے امیدوار کو بٹھانا ہی تھا تو کل آپ نے اسے ٹکٹ کیوں دیا تھا؟ لہٰذا اس مرتبہ اگر ہم نے اپنا امیدوار بٹھا دیا تو آئندہ ہم سے لوگ الیکشن لڑنے سے قبل سوال کریں گے کہ ہمیں بٹھا کر ذلیل کب کرنا ہے؟ اس لئے بہتر ہے کہ آپ اپنے امیدوار کو کھڑا رہنے دیں۔ اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہمارا امیدوار الیکشن ہار جائے گا مگر ہمارے نظریاتی ووٹر تو مایوس نہ ہوں گے۔ جنرل حافظ محمد حسین انصاری نے کہا کہ مولانا اگر آپ الیکشن میں حصہ لینا نہیں چاہتے تو پھر پارٹی کے غیر سیاسی ہونے کا اعلان کر دیں اور اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر درود وسلام پڑھیں۔ بہرحال صوبائی مجلس شوریٰ نے بھی مرکزی مجلس شوریٰ کے فیصلے کی بھرپور تائید کی۔ اندر ہی اندر مولانا نیازی کی بات پایۂ تکمیل کو پہنچتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ لہٰذا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا نیازی کے ارد گرد مفاد پرستوں نے جمع ہو کر مولانا نیازی اور مولانا نورانی میں پھوٹ ڈالنے کے لئے موقع سے فائدہ اٹھایا کہ مولانا نورانی آپ کی بات نہیں مانتے ہیں۔ آپ ان سے الگ ہو جائیں۔

ساتھ ہی اسلامی جمہوری اتحاد کے چند ذمہ دار افراد نے اسلام آباد میں جمعیت کے مرکزی سیکرٹری نائب صدر اور صوبائی صدر پیر سید برکات احمد شاہ کے نام سے منسوب جھوٹی خبر چھپوا دی کہ الوری الیکشن سے دستبردار ہو جائیں۔

ادھر مولانا شاہ احمد نورانی اپنے پارٹی کے رفقاء کے ہمراہ انتخابی مہم میں حصہ لینے لاہور پہنچ گئے۔ ۔۔۔ کی آمد سے اسلامی جمہوری اتحاد کے اندر کہا گیا کہ اگر مولانا نورانی نے ایک دو جلسوں سے خطاب کر دیا تو ہمارا صفایا ہو جائے گا۔ لہٰذا مولانا نیازی اور پیر سید برکات احمد شاہ کو اپیل طور پر اسلام آباد سے لاہور لایا گیا جس میں ایک صوبائی وزیر موصوف جنہوں نے حال ہی میں وزارت کا قلمدان سنبھالا ہے نے اہم رول ادا کیا ہے۔ جمعیت کے مرکزی دفتر میں مولانا شاہ احمد نورانی نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ نواز شریف سے ملاقات کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ نواز شریف بات کرنے کے قابل نہیں ہے لہٰذا اس سے کسی قسم کی بات نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس پر حالات مزید خراب ہو گئے۔ اسی ضمن میں مولانا شاہ احمد نورانی کو ان کی والدہ کا ٹیلیفون کراچی سے موصول ہوا کہ آپ کے بیٹے انس نورانی کی طبیعت خراب ہے لہٰذا فوراً واپس کراچی پہنچو۔ مولانا نورانی تو کراچی چلے گئے۔ مگر جانے سے قبل وہ واضح کر گئے کہ میں الوری کی دستبرداری کے حق میں نہیں ہوں۔ البتہ اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کو اختیار ہے کہ وہ حالات کے مطابق فیصلہ کرے۔ اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کے پہلے اجلاس میں آٹھ میں سے چھ ارکان نے الوری کی دستبرداری اور سمجھوتہ کرنے کی بھرپور مخالفت کی جس پر مولانا نیازی نے جنرل کے ایم اظہر سے کہا کہ اگر تم میری بات نہیں مانتے ہو تو پھر آج سے [illegible] دیکھو۔ جس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ مولانا عبدالستار خان نیازی کا جمعیت کو تقسیم کرنے کا منصوبہ پہلے سے تیار تھا مگر وہ موقع کی تلاش میں تھے۔ اسی دوران جنرل کے۔ ایم۔ اظہر، جنرل انصاری وغیرہ مولانا الوری کے انتخابی جلسہ سے خطاب کرنے چلے گئے۔ واپسی پر اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کا دوسرا اجلاس ہونا تھا۔ جنرل کے۔ ایم۔ اظہر کے بقول کہ جب ہم واپس آئے تو ہمیں بتایا گیا کہ ہمارا آئی جے آئی سے سمجھوتہ ہو چکا ہے۔ جس پر پیر سید برکات احمد شاہ، مولانا نیازی، اور صاحبزادہ ابوالخیر زبیر کے دستخط موجود ہیں۔ اجلاس میں صاحبزادہ سید اکرم شاہ، صاحبزادہ ابوالخیر دونوں نے مشترکہ ملاقات میں شرکت کی تھی۔
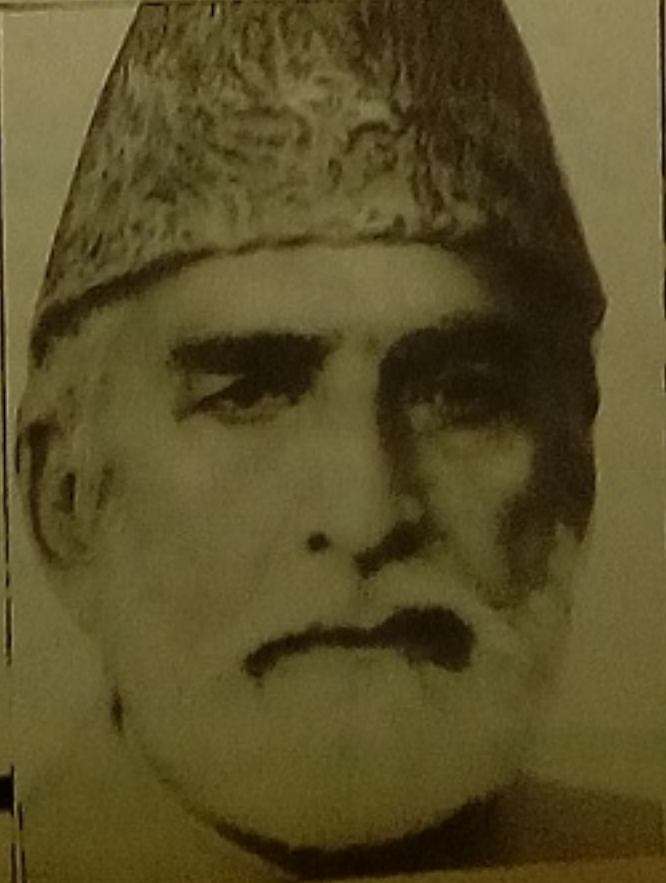
لہٰذا اخلاقی و قانونی طور پر دونوں حضرات سمجھوتہ کرنے کے مجاز نہ تھے فیصلہ کرنے اور دستخط کرنے کا انہیں کوئی دستوری اور قانونی حق نہیں تھا۔ پیر سید برکات احمد شاہ نے بھی دستخط اعتراف کیا یا جمعیت کو فروخت کرنے کی وجہ سے نہیں کئے ہیں بلکہ وہ درویش منش اور سیاسی [illegible] انسان ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ جمعیت دو ٹکڑے ہو رہی ہے لہٰذا اسے بچایا جائے اس بنا پر انہوں نے دستخط کر دیئے مگر قلبی طور پر وہ اس سمجھوتہ کے حق میں نہیں تھے۔ جنرل انصاری، جنرل کے۔ ایم۔ اظہر، خواجہ غلام سدید الدین، سید امیر حسین شاہ، پروفیسر شاہ فرید الحق وغیرہ اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کے ممبران میں سے کوئی ایک بھی آئی جے آئی سے سمجھوتہ کرنے پر راضی نہیں تھا اور نہ ہے۔

جمعیت کے قائم مقام سیکرٹری جنرل صاحبزادہ اکرم شاہ، مرکزی سیکرٹری اطلاعات پیر اعجاز احمد ہاشمی، جنرل کے۔ ایم۔ اظہر اور جنرل انصاری وغیرہ نے مولانا نیازی سے کہا کہ آپ اس معاہدہ کی کاپی آئی جے آئی والوں سے واپس لیں۔ اگر آپ نے امیدوار بٹھانا ہی ہے تو اس کے اور بہت سے طریقے ہیں۔ یہ طریقہ تنظیمی وقار کے منافی اور ماضی کی درخشندہ تاریخ کے برعکس ہے۔ مذکورہ حضرات کا کہنا ہے ہم رات دو بجے پھر مولانا نیازی کے گھر گئے اور انہیں نظرثانی کے لئے کہا مگر مولانا نیازی اپنی بات پر بضد تھے اور انہوں نے کہا ہم نے پریس ریلیز جاری نہیں کی ہے۔ ادھر شہباز شریف نے بھی رابطہ کرنے پر بتایا کہ ہماری جانب سے اخبارات کو پریس ریلیز جاری نہیں کی گئی ہے۔ مذکورہ حضرات نے مولانا نیازی سے عرض کیا کہ آپ آج اسلام آباد نہ جائیں شاید ہم کسی حتمی نتیجہ پر پہنچ جائیں مگر مولانا نیازی نے کہا کہ مجھے جمعیت علماء آزاد کشمیر کے صدر صاحبزادہ عتیق الرحمٰن کی دعوت پر آزاد کشمیر جانا ہے اور صبح پانچ بجے جب یہ افراد گھر پہنچے تو مولانا نیازی اسلام آباد روانہ ہو گئے۔ صبح کو اخبارات میں الوری کی دستبرداری اور سمجھوتہ کی رپورٹ شائع ہوئی تو صاحبزادہ عتیق الرحمٰن جو کہ لاہور میں تھے انہوں نے صاحبزادہ اکرم شاہ سے فون پر پوچھا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ اکرم شاہ نے کہا آپ کو تو آزاد کشمیر میں ہونا چاہیے تھا آپ یہاں پر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو کس نے کہا۔ اکرم شاہ نے کہا کہ مولانا نیازی نے۔ پریس ریلیز کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ مولانا نیازی کے کہنے پر سلیم اللہ خان نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس غلط فیصلے اور تضاد بیانی پر ظاہر ہے کہ کارکنوں نے تو گھیراؤ کرنا ہی تھا۔ لہٰذا جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری جنرل صاحبزادہ اکرم شاہ، صوبائی جنرل نائب صدر پیر سید محمود مشہدی، صوبائی آرگنائزنگ سیکرٹری سردار محمد خان انصاری،

باقی صفحہ ۵۰ پر

انٹرویو، شکیل احمد خان

# حالات کو قابو میں کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے

## مسلم لیگی رہنما سید محمد کاظم شاہ کا انٹرویو

صحرا کی نگری سے آج ہم نے اپنے قارئین کیلئے ایک شخصیت جو کہ پاکستان مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے عوام کی خدمت کررہی ہیں کو منتخب کیا ہے اور ان کی سیاسی زندگی کے آغاز، سندھ و ملکی حالات پر ان سے اظہار خیال ان کے اپنے مسکن پر کیا، آپ ضلع خیرپور کی سیاسی شخصیت سید محمد کاظم شاہ جو کہ خیرپور کی سیاست میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں آپ نے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ سیاست میں ایک مزدور رہنما کی حیثیت سے وارد ہوئے تھے، آپ نے باقاعدہ کارکن کی حیثیت سے ۱۹۷۱ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی، آپ اس وقت پاکستان مسلم لیگ تعلقہ خیرپور کے صدر کی حیثیت سے عوام کی بے لوث خدمت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں ہم نے ان سے ملکی سیاست و سندھ کے حالات پر ایک انٹرویو کیا۔

سوال - آپ کے خیال میں سندھ کی موجودہ صورت حال کا ذمہ دار کس کو ٹھہرایا جاسکتا ہے؟

جواب - سندھ کے موجودہ حالات کی تمامتر ذمہ داری موجودہ پیپلز پارٹی کی حکومت پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ جنرل ضیاء کے دورِ حکومت میں پیپلز پارٹی کہا کرتی تھی کہ اگر انتخابات جماعتی بنیاد پر منعقد ہوں تب ہی ملک سے تمامتر تخریب کاری، دہشت گردی اور سیاسی انتشار کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے اور قدرت نے نومبر ۱۹۸۸ء میں پیپلز پارٹی کو یہ موقع فراہم کیا، لیکن اقتدار میں آئے ہوئے چودہ ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن سندھ کے حالات درست ہونے کے بجائے خراب تر ہوتے چلے جارہے ہیں جبکہ مسلم لیگ کے دور میں کسی قسم کا کوئی انتشار عوام میں موجود نہیں تھا بلکہ موجودہ حکومت یہ باور کراتی ہے کہ حالات کی خرابی ہمیں گذشتہ دورِ حکومت سے ورثہ میں ملی ہے جبکہ جیلوں سے جن خطرناک قیدیوں کو رہا کیا گیا جن کو مارشل لاء کے دورِ حکومت میں اپنے کرتوتوں کے باعث جیل میں پابندِ سلاسل کیا گیا تھا موجودہ حکومت نے ان خطرناک مجرموں کو آزاد کر کے عوام کی زندگی اجیرن کردی ہے اور وہی خطرناک دہشت گرد اور ڈاکو حکومت کے لئے امن و امان کا مسئلہ بنے ہوئے ہیں لیکن وہ آہنی ہاتھ سابق وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ استعمال نہ کر سکے جبکہ وہ اپنی وزارت اعلیٰ کے عہدے سے بھی مستعفی ہو گئے ہیں لیکن ان کا وہ آہنی ہاتھ استعمال نہ ہو سکا۔ اندرونِ سندھ کے تعلیمی اداروں میں اردو بولنے والے طلباء تعلیم سے محروم ہوئے جبکہ اندرون سندھ کے اکثر تعلیمی اداروں پر پیپلز پارٹی کی طلباء تنظیم سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن (سپاف) کا کنٹرول ہے اور ان کو چاہئے تھا کہ وہ اردو بولنے والوں کا تحفظ کرتے سندھ کے حالات بگاڑنے میں مخدوم خلیق الزماں اور ان کے ہم خیال افراد کا بھی بہت عمل دخل ہے، اردو سندھی تعصبات میں بھی ان کا عمل دخل رہا ہے مخدوم صاحب نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ "مجھے یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ ڈاکوؤں کی پشت پناہی ہماری پارٹی کے لوگ کررہے ہیں"۔ ان کے اس بیان سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پیپلز پارٹی عوام کے لیے کتنی مخلص ہے۔

پیپلز پارٹی کبھی بھی ملک کی وفادار نہیں رہی پیپلز پارٹی کے سابقہ دور میں جمہوریت کا سب سے بڑا قتل ہوا۔ جب پیپلز پارٹی نے مجیب الرحمٰن سے وزیر اعظم بننے کا حق چھین کر اپوزیشن میں نہ بیٹھنے کے لیے ملک کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کردیا۔ آج پھر پیپلز پارٹی کی حکومت ہے اور پیپلز پارٹی جیئے سندھ کے بزرگ رہنما کو نظر بند رکھ کر ان کی قیادت اپنی جانب منتقل کرنا چاہتی ہے

سوال ۔ پیپلز پارٹی الزام لگا رہی ہے کہ متحدہ اپوزیشن ملک میں خراب حالات پیدا کر کے ایک نئے مارشل لاء کو دعوت دے رہی ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اپوزیشن کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے حالات کو قابو میں کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے حکومت کو چاہیئے کہ وہ ملک میں ایسے حالات پیدا ہی نہ ہونے دے کہ مارشل لاء کی راہ ہموار ہو۔ اردو یا سندھی بولنے والوں میں کسی قسم کی کوئی نفرت نہیں تھی اور سندھ کے تمام تعلیمی اداروں میں تمام

سید محمد کاظم شاہ سے نمائندہ احوال شکیل احمد خان انٹرویو کر رہے ہیں۔

## بھارت کی جارحیت کے پیشِ نظر بیدار رہا جائے ، انجمن طلباء اسلام

کلیم چغتائی

# حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

**اللہ کی راہ میں اتنا مال و دولت نثار کرنے والے صحابیؓ**
**پھر بھی فکر مند رہتے تھے کہ کہیں ان سے آخرت میں باز پرس نہ کی جائے۔**

چاہیے تھے لیکن حضرت ابوعبیدہؓ کو اختلاف تھا۔ حضرت عباسؓ نے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ باہر سے آئے۔ وہ بعض ضرورتوں سے کہیں گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا اس مسئلہ کے متعلق مجھے علم ہے۔ میں نے رسولؐ اللہ سے سُنا ہے کہ جب تم اس (طاعون) کو کسی زمین میں سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں وبا پھوٹ پڑے تو اس سے بھاگ کر نہ جاؤ۔"

یہ حدیث پاک سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"اللہ کا شکر ہے، پلٹ چلو۔"

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک بار عشاء کی نماز کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کی۔ "مجھے بلوایا ہوتا۔ خود کیوں تکلیف کی۔" جواب ملا "مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ مدینہ کے باہر ایک قافلہ اُترا ہے، قافلہ والے تھک کر سو گئے ہیں۔ میرے ساتھ چلو۔" حضرت عبدالرحمٰنؓ فوراً تیار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ انہیں لے کر مدینہ کے باہر تشریف لے گئے اور نماز ادا کرنا شروع کر دی۔ اس طرح قافلے کی حفاظت بھی کرتے رہے اور نماز کا ثواب بھی سمیٹ لیا۔

معرکہ نہاوند میں مسلمانوں کو بہت بڑے پیمانے پر مالِ غنیمت ملا۔ مالِ غنیمت کی سینکڑوں گٹھڑیاں مدینہ منورہ لائی گئیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں مسجد نبویؐ میں رکھنے کا حکم دیا اور چند صحابہ کرامؓ کو نگرانی کے لئے مامور کر دیا۔ ان صحابہ کرامؓ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی شامل تھے۔

۴ محرم ۲۴ھ کو حضرت عمرؓ نماز فجر کی امامت کے لئے کھڑے ہوئے اسی وقت ایک پارسی غلام ابولؤلؤ نے آپؓ پر حملہ کر دیا۔ آپؓ شدید زخمی ہوئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ زخمی ہوتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا ہاتھ پکڑا اور امامت کے لئے انہیں کھڑا کر دیا۔ جو لوگ قریب تھے انہیں تو علم تھا کہ کیا ہو رہا ہے لیکن جو لوگ دور تھے وہ حضرت عمرؓ کی آواز نہ آنے پر حیران ہو رہے تھے۔

مسلمانوں کا حسنِ انتخاب:

حضرت عمرؓ شدید زخمی ہو گئے تھے۔ ان سے اصرار کیا گیا کہ وہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سپرد کیا جن کی نسبت کثرت آراء سے خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ رسولؐ اللہ ان سب سے آخر وقت تک خوش رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا کہ عبدالرحمٰن صاحب الرائے ہیں تم انہیں صحیح ہیں۔ لیکن نے یہ کہ حضرت [illegible] اور اگر انتخاب میں اختلاف پیدا

ہو جائے تو جس کی طرف عبدالرحمٰنؓ ہوں ان کا ساتھ دینا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں آپؓ امور مملکت سے دُور رہے۔ ۳۲ھ میں آپؓ اپنے رب سے جا ملے۔ اس وقت آپؓ کی عمر ۷۲ سال تھی۔ بعض مؤرخین نے آپؓ کی عمر ۷۵ سال بتائی ہے۔ حضرت علیؓ نے جنازے پر کھڑے ہو کر کہا،

"عبدالرحمٰنؓ جاؤ۔ تم نے اچھا زمانہ پایا اور فتنوں سے بچ کر چل دیئے۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم متعدد مواقع پر آپؓ کو ساتھ لے جاتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لئے حضور تشریف لے گئے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ ساتھ تھے۔

مسند احمد اور ترمذی میں خود حضرت عبدالرحمٰنؓ سے روایت ہے کہ ہم اصحابؓ رسولؐ میں سے چار پانچ افراد حضور سے جُدا نہ ہوتے تھے تاکہ آپؐ کو کسی بھی وقت کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے پورا کر سکیں۔ ایک دن میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اپنے مکان سے نکلے میں پیچھے پیچھے چلا۔

آپؐ بلندی پر واقع ایک باغ میں داخل ہو گئے۔ وہاں آپؐ نے سجدہ کیا۔ سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ آپؐ کا وصال ہو گیا ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں رو پڑا۔ آپؐ نے سجدے سے سر اٹھا کر پوچھا۔

"عبدالرحمٰنؓ! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

میں نے اپنے رونے کی وجہ بتائی تو فرمایا۔

"جبرئیل نے مجھ سے کہا کہ کیا میں آپؐ کو یہ بشارت نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو آپؐ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا، اور جو آپؐ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا۔" یعنی حضور اس پیغام کے جواب میں سجدۂ شکر بجا لا رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ رحمت اللعالمینؐ پر لاکھوں درود اور لاکھوں سلام نازل فرمائے۔ جنؐ کے تربیت کردہ صحابہ کرامؓ کی روشن سیرتیں ستاروں کی مانند، گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو راستہ دکھا رہی ہیں۔

---

بقیہ: کارخانہ میں آگ

تخریب کاروں نے نہیں لگائی دوسری جانب سیٹلائٹ سے لی گئی تصویروں سے پتہ چلتا ہے آگ دو جگہوں پر لگی۔ اس لئے تخریب کاری کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا وقتی طور پر پلانٹ نے کام کرنا بند کر دیا ہے تاہم ہلاکت خیز گیس کا اخراج نہیں ہوا یہ کم از کم ایک اطمینان بخش بات ہے۔

امریکی ذرائع کے مطابق صدر بش نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ "رابطہ کیمیائی پلانٹ" کو پیداوار کرنے کا موقع نہیں دیا جانا چاہیے اگر سفارتی ذرائع سے اس مقصد میں کامیابی نہ ہو تو فوجی ذرائع استعمال کر کے اس کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ "رابطہ پلانٹ" اور ایسی دیگر مشرق وسطیٰ کی تنصیبات پر پہلے ہی نشانات لگا لئے گئے ہیں جن کو کروز میزائلوں سے نشانہ بنایا جا سکتا ہے امریکی جنگی بحری جہاز کروز میزائلوں سے مسلح لیبیا کے ساحل کے قریب موجود ہے مگر اس کو حملہ کرنے کے ابھی احکامات نہیں دیئے گئے ہیں، ایک امریکی اعلیٰ افسر نے کہا کہ ہماری یہ کوشش ہو گی کہ "رابطہ پلانٹ" دوبارہ کام کرنے کے قابل نہ ہو سکے اور اس سلسلے میں امریکہ متعلقہ غیر ملکی کمپنیوں پر زور دے گا کہ وہ پلانٹ کی مرمت میں لیبیا کی مدد نہ کریں۔

آگ کیسے لگی ہے؟ کس نے لگائی یہ سوالات ابھی جواب طلب ہیں۔ صدر قذافی تخریب کاری کے امکانات پر بہت زور دے رہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ [illegible] کی

دھمکی کے بعد بعد ہی آخر آگ کیوں لگی؟

ایسے کارخانے جہاں کیمیائی ہتھیار بنائے جاتے ہیں وہاں جلد آگ پکڑنے والے مرکبات کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے۔ امریکی دباؤ کی وجہ سے "رابطہ پلانٹ" میں کام کرنے والے تمام غیر ملکی ماہرین رابطہ پلانٹ کو لیبیا کے نو آموز ماہروں پر چھوڑ کر چلے گئے موجودہ آتشزنی ان کی ناتجربہ کاری کی بناء پر بھی ہو سکتی ہے، سینئر امریکی حکام کے مطابق اس کارخانے میں پہلے بھی دو ایسے حادثات ہو چکے ہیں۔ اس مرتبہ شاید سیکریٹ سروس کے مطابق تخریب کاروں نے لیبیا کے اسلحہ خانے کو مکمل طور پر تباہ کرنے کے لئے کسی قسم کا زیادہ تباہ کن مادہ استعمال کیا ہو گا اور اسی انداز میں صدر قذافی اس حملے کا جواب دینے کی تیاری کر رہے ہونگے۔ فوجی خفیہ سروس کے مطابق وہ فلسطینی انتہا پسند ابو ندال سے مدد لے سکتے ہیں یا جاپانی دہشت گردوں کو یہ مخصوص کام سونپ سکتے ہیں قذافی انتقامی طور پر کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال بھی کر سکتے ہیں وہ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ انتقام لینے کے لئے وہ مزید لاکھوں ڈالر خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں رابطہ پلانٹ پچھلے ہفتہ کی آتشزدگی سے پیشتر ۵۰ ٹن مسٹرڈ گیس (بیجوں سے تیار شدہ گیس) تیار کر چکا ہے، مغربی فوجی تجزیہ نگار زیادہ تر ابو ندال کے بارے میں متفکر ہیں جسے حال ہی میں صدر قذافی نے جیل سے رہا کر دیا اور جو تریپولی میں اپنے دہشت گرد گروپ کو تشکیل دینے میں مصروف ہے۔

## ○ "رحمن کیانی" کی یاد میں تعزیتی جلسہ!
## ○ "سوہنی دھرتی یوتھ کونسل" ذوالفقار آباد کی فلاحی سرگرمیاں!

ملک کے ممتاز و مشہور شاعر رحمن کیانی کی یاد میں جمعیت الفلاح "فلاح مجلس ادب" کے زیر اہتمام ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا اس جلسہ کی صدارت معروف اسکالر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے کی جب کہ رحمن کیانی کے برادر عزیز ظہور کیانی مہمان خصوصی تھے!

رحمن کیانی کو خراج عقیدت پیش کرنے والوں میں کراچی کے متعدد دانشور و شعراء حضرات جن میں ڈاکٹر پیرزادہ قاسم، نثار احمد زبیری، شاہ مصباح الدین شکیل نورالعین نوید، کمانڈر محمد ادریس، ایم آئی ارشد، شمس الدین خالد، اعجاز رحمانی، عاشق کیرانوی، روشن بدایونی اور نعیم الرحمن جوہر کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

تعزیتی جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت جہانگیر خان نے حاصل کی۔ الطاف میر نے ہدیہ نعت پیش کیا اور میر واصف علی خان واصف اسٹیج سیکریٹری کے فرائض انجام دیئے!

جمعیت الفلاح اور فاران کلب کے سابق صدر کمانڈر محمد ادریس نے رحمان کیانی کی زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ رحمن کیانی سے میرے تعلقات اور وابستگی ایک عرصہ تک رہی انہوں نے کہا کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو صدیوں نہیں بھلائے جا سکتے۔ کمانڈر ادریس نے کہا کہ میں ایسا بدبخت ہوں اور مجھ سے یہ کوتاہی ہوئی کہ ان کے مقام کو قوم سے روشناس کرانے میں تاخیر کی۔ جو کوتاہی مجھ سے ہوئی میں اس پر زندگی بھر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہوں گا۔ انہوں نے اس موقع پر اعلان کیا کہ "فاران کلب" کے زیر اہتمام رحمن کیانی کی نظموں پر مشتمل ایک کتاب "اذان" بہت جلد شائع کی جائے گی۔ اس کے فوری بعد ملک کے ممتاز شاعر جناب اعجاز رحمانی کو "رحمن کیانی" کی یاد میں منظوم نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے بلایا گیا جناب اعجاز رحمانی نے اپنی پرسوز اور سحر کن آواز میں رحمن کیانی کو منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

رحمن کیانی نے جذبۂ جہاد کو پروان چڑھانے میں اپنی نظموں کے ذریعہ قوم اور افواج پاکستان میں جو روح پھونکی ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔ یہ بات جناب ایم آئی ارشد نے رحمن کیانی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ رحمن کیانی نے ہماری افواج کو صف بستہ اور ایک (کاشن) میں لاکھڑا کیا تھا اور ان میں اپنی نظموں کے ذریعہ جذبۂ شہادت بیدار کر کے وطن عزیز پر مر

مٹنے کا جذبہ پیدا کیا۔

رحمن کیانی اصل میں عالم اسلام کا شاعر ہے ان کا اصل پیغام "پیغام جہاد" ہے جو جذبہ جہاد کو اجاگر کرتا ہے یہ بات جناب شاہ مصباح الدین شکیل نے کہی انہوں نے کہا کہ یہ بات اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب شاعر بذات خود میدان جنگ میں نہ ہو۔ فلائٹ سارجنٹ رحمن کیانی نے اپنی نظموں کے ذریعہ پاک فضائیہ میں ہلچل مچا دی تھی۔ گھن گرج اور طیاروں کا چونکا دینے والا احساس رحمن کیانی کی شاعری میں ملتا ہے۔

۶۵ء کی جنگ کے حوالے سے نورالعین نوید نے رحمن کیانی پر ایک مقالہ پڑھا انہوں نے اپنے مقالہ میں کہا کہ رحمن کیانی نے جنگ کے دوران اپنی نظمیں سنا سنا کر قوم اور نوجوانوں کے دلوں کو گرمایا بلکہ ان میں ایک ولولہ اور تڑپ پیدا کی۔ نوید صاحب نے اپنے مقالہ میں رحمان کیانی کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے کئی قابل ذکر نظمیں لکھ کر قوم سے داد تحسین حاصل کی ہیں۔ لیکن ان کی ایک نظم "جنگ نامہ" جو آج تک قوم کے دلوں پر نقش ہے۔ مشہور ادیب و شاعر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم نے اس موقع پر فرمایا کہ ۶۵ء کی "پاک بھارت جنگ" کے بعد ایک موقع پر جناب جمیل الدین عالی نے رحمن کیانی کا مجھ سے بھرپور تعارف کرایا تھا اس وقت سے لوگوں کی توجہات رحمن کیانی کی طرف بڑھ گیئں تھیں اس وقت لوگوں نے کہا کہ ایک سچا اور مخلص شاعر ہمارے درمیان موجود ہے انہوں نے کہا کہ یہ سب کرشمہ عالی صاحب کے کالم کا ہے جنہوں نے اپنے کالم میں رحمن کیانی کو یوں تحریر کیا کہ رحمن کیانی کو پاکستان نے دریافت کیا ہے۔ جمعیت الفلاح کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ رحمن کیانی یاد منانے کا ایک بہانہ بنا کر رحمن کیانی کے چاہنے والوں کو یکجا کر دیا۔

اس تعزیتی جلسہ سے کہنہ مشق صحافی جناب نثار احمد زبیری نے خطاب کیا انہوں نے اپنے خطاب میں رحمن کیانی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران رحمن کیانی کی شاعری نے نظموں اور ترانوں کے ذریعہ وہ تھلکہ مچا دیا تھا کہ ہمیں پہلی بار پتہ چلا کہ ہم ایک مربوط اور مضبوط قوم ہیں ۶۵ء کی جنگ میں رحمن کیانی کا دوسرا تحفہ ان کی شاعری ہے۔ ان کی یہ کوشش تھی کہ اسلامی اقدار کے حوالے سے اپنی شاعری کے ذریعہ نوجوان نسل کو بیدار کیا جائے۔ یہ سب کچھ رحمن کیانی کی شاعری میں ملتا ہے۔ دیگر اور شعراء کرام کے پاس یہ انداز عنقا نظر آتا ہے زبیری صاحب نے کہا کہ رحمن کیانی کی موت نے ہمارا بہت بڑا نقصان کیا ہے اب یہ آواز ہم میں موجود نہیں ہے اب دیکھنا ہے کہ رحمن کیانی کی آواز کہاں اور کیسے پیدا ہوتی ہے اور کون ہے جو رحمن کیانی کے خلا کو پر کرے گا۔

آخر میں جلسہ کے صدر مشہور ادیب و اسکالر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اپنی صدارتی تقریر میں رحمن کیانی کو خراج پیار پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ رحمن کیانی نہ صرف پاکستانی شاعر تھے۔ بلکہ وہ امت مسلمہ کے عظیم محسن اور عظیم شاعر تھے انہوں نے اپنی شاعری میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی شہرت کے لئے نہیں تھا بلکہ وہ ملت اسلامیہ کے لئے اپنی شاعری کو وقف کر دیا

تھا ان کی شاعری میں یوں محسوس ہوتا تھا کہ سارا عالم اسلام ان کی شاعری سے گونج رہا ہے وہ جو بھی کہتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہم نے بھی یہی کچھ...

سوچا ہے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ قوموں کی تاریخ میں تین لمحات آتے ہیں ایک وہ جو اپنی دریافت خود کرے دوسرا یہ کہ فتح وافتخار ونصرت کا اور تیسرا یہ کہ شکست وریخت کا ہمارے عظیم دوست رحمٰن کیانی نے ان تینوں لمحات پاکستان میں گزارے وہ شاعر بھی تھے اور سپاہی بھی! لیکن رحمٰن کیانی نے اپنی شناخت ایک سچے پاکستانی شاعر کی حیثیت سے کرائی وہ شکست وریخت کے ہنگاموں میں پیغام عمل دیتے رہے یہی ان کی اولوالعزمی تھی! ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے کہا کہ رحمٰن کیانی نے اپنے آپ کو محض شاعر نہیں سمجھا بلکہ وہ اپنے آپ کو ایک سپاہی تصور کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ وہ "مذہباً اور مسلکاً" اپنی جان کو قوم وملک کے لئے نذرانہ سمجھتے تھے ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

"ہو جاؤ عزیزو کہ فصیلوں کے ہر اک سمت
ہم لوگ ابھی زندہ جاوید کھڑے ہیں"

اعجاز رحمانی کا منظوم نذرانہ عقیدت:

اقبالؒ نے جس فکر کی بنیاد رکھی تھی
اس فکر سے سرشار تھا رحمٰن کیانی
لہجہ بھی جدا اس کا تھا انداز بھی تیکھا
الفاظ کی تلوار تھا رحمٰن کیانی
وہ ناؤ جو اسلام کی ساحل کی ہے طالب
اس ناؤ کی پتوار تھا رحمٰن کیانی
حق بات کے کہنے میں اسے باک نہیں تھا
اپنوں سے بھی بیزار تھا رحمٰن کیانی
رحمٰن نے پاس اپنے یوں ہی نہیں بلوایا
رحمٰن سے نسبت تھی رحمٰن کیانی کو

(نعیم الرحمٰن جوہر)

کہنے کو بہت سے یہاں ارباب خرد ہیں
اس دور میں لیکن کوئی تیرا نہیں ثانی

(عاشق کیرانوی)

تعزیتی جلسے کے اختتام پر رحمٰن کیانی کے برادر عزیز ظہور کیانی نے فاتحہ پڑھی اور دعائے خیر فرمائی۔

● سوہنی دھرتی یوتھ کونسل ذوالفقار آباد یونٹ کا ایک اجلاس ہوا یونٹ کے آرگنائزر جناب عبدالرحمٰن عابد نے ایک پروگرام تشکیل دیا اس پروگرام کا موضوع تھا کہ پاکستان میں اخلاقی ادبی اور فلاحی سرگرمیاں۔ اس میں عبدالرحمٰن عابد، چیف ایگزیکٹو ثاقب احمد اور جناب میاں خان صاحب نے سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ملک میں بڑھتے ہوئے غیر مہذب اور غیر اخلاقی لٹریچر کا پھیلاؤ اور غیر مہذب وڈیو فلموں کی آمد پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ ان حضرات نے کہا کہ اس قسم کے غیر اخلاقی لٹریچر اور وڈیو فلموں سے ہماری نسلیں تباہی کی طرف جا رہی ہیں اور معاشرے میں جرائم پھیل رہے ہیں اگر انہیں نہ روکا گیا تو یہ ملک کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گے اس موقع پر جناب عبدالرحمٰن عابد نے کہا کہ "سوہنی دھرتی یوتھ کونسل ذوالفقار آباد" یونٹ ماہِ صیام کے بعد ایک بھرپور "ہفتہ اخلاق" منائے گی۔ اس ضمن میں لٹریچر اور پمفلٹ کے ذریعے نوجوانوں کو ترغیب دی جائے گی کہ وہ ایسے غیر اخلاقی لٹریچر اور غیر مہذب وڈیو فلمیں نہ دیکھیں بلکہ وہ ہمارے اسلاف و اقدار پر بنائے جانے والی فلموں اور لٹریچر کا مطالعہ کریں جس سے ہمارے تاریخی و اسلامی ہیروز کا پتہ چل سکے۔ اجلاس کے اختتام سے پہلے یہ ارادہ کیا گیا کہ ایک لائحہ عمل مرتب کیا جائے جو ہماری نوجوان نسل کے لئے قابل قبول ہو۔

●●

# حرمین شریفین میں مقامات مقدسہ کی بے حرمتی

## سعودی حکومت سے مسلمانوں کا مطالبہ

●

یہ خبر امت مسلمہ کے لئے انتہائی تشویش کا باعث ہے کہ آہستہ آہستہ حرمین شریفین سے مقامات مقدسہ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مکان، حضرت خدیجہؓ کا مکان، ازواج مطہراتؓ اور صحابہ کرامؓ کے دور کی یادگاریں مٹائی جا رہی ہیں بلکہ ایک اطلاع کے مطابق روضۂ رسول ﷺ بھی خطرے میں ہے ہم درج ذیل نمونہ کے طور پر چند واقعات لکھ رہے ہیں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ خادم الحرمین شریفین کہلانے والے خود مقامات مقدسہ کی توہین کے ذمہ دار ہیں۔

(۱) مکہ معظمہ میں واقع جبل ابوقبیس پر جہاں مسجد بلال تھی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شق القمر کا معجزہ صادر ہوا تھا اس کو شہید کر دیا گیا ہے اور وہ مسجد شاہی محلات کے توسیع کی نذر ہو گئی۔

(۲) مسجد ابوبکر صدیقؓ اسلامی تاریخ میں حرم مکہ کے بعد مکۃ المکرمہ میں دوسری مسجد تھی یہ حضرت ابوبکرؓ کا مقدس مکان جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی اب اس مسجد کو شہید کر دیا گیا ہے اور وہاں ایک بڑی مارکیٹ تعمیر کی جا رہی ہے۔

سنو ہے (ہم ابھی مسجد کے سلسلے رو رہے ہیں کہ وہاں منصوبہ نے مسجد کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس مسئلے پر پوری دنیا صدائے احتجاج بلند کر رہی ہے اور یہاں ارض مقدس میں خود خادم الحرمین کے ہاتھوں مسجد گرا دی گئی ہے بابری مسجد کے بارے میں کس منہ سے مسلمان احتجاج کریں۔

(۳) حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا مکان جس میں کئی قرآن نازل ہوا اور جہاں ۲۴۳ دفعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور حضورؐ حضرت خدیجہؓ سے تمام اولادیں وہاں پیدا ہوئیں اس کو بھی گرا دیا گیا ہے۔

(۴) روضہ رسول ﷺ خطرے میں ہے چاروں طرف کے مکانات گرائے گئے ہیں اب معلوم نہیں کہ کس وقت مسجد نبوی کی توسیع کے نام پر روضہ رسول ﷺ کو شہید کر دیا جائے۔

(۵) مسجد قباء کی جدید عمارت پر نظر ڈالنے سے صلیب کا نشان نظر آتا ہے۔ مکۃ المکرمہ، مدینۃ المنورہ ریاض کی نئی تعمیر شدہ مساجد کے نقش و نگار میں صلیبی نقشے ظاہر کئے گئے ہیں ریاض کی ۳ نئی مساجد پر صلیب کا نشان نصب کیا گیا ہے۔

(۶) ملک عبدالعزیز کے دور سے بینکوں اور سرکاری کمپنیوں میں ہجری تقویم رائج تھی یعنی یکم محرم الحرام یا یکم رجب سے حساب و کتاب کا سلسلہ ہوتا تھا اور بجٹ بنتا تھا مگر اسے ترک کر دیا گیا ہے اور اب انگریزی کا کیلنڈر رائج کر دیا گیا ہے۔

یوں "خادم الحرمین" اسلامی آثار اور مقامات مقدسہ کو مٹا رہے ہیں امریکہ پوری طرح اس کی پشت پناہی کر رہا ہے تمام دنیا کے مسلمان سعودی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ مقامات مقدسہ کی توہین بند کر دیں اور اسلامی آثار کو مٹانے سے گریز کریں۔ ورنہ پھر حساب دہی کے لئے تیار ہو جائیں۔

(ادارہ انجمن تحفظ مقامات مقدسہ)

عباس احمد آزاد

# مورو محاذِ آزادی

## فلپائن میں تین صدیوں سے مسلمان برسرِ پیکار ہیں

(گذشتہ سے پیوستہ)

### امریکہ کا اسپین میں آنا مورو عوام کی آزادی پر براہ راست حملہ تھا

ہر کیف ان معاہدوں کے تھوڑے عرصے بعد امیلیو اگنالڈو کی قیادت میں لوزان میں فلپائنی انقلاب برپا ہو گیا امیلیو اگنالڈو اسپین کو شکست دینے کے بعد فلپائن میں حکومت کی باگ ڈور امریکیوں کے ہاتھ میں دینے پر رضا مند نہ ہوا۔ بالآخر یہ جنگ ختم ہو گئی تو ۲ جون ۱۸۹۹ کو اگنالڈو فلپائن کی آزادی کا اعلان کرنے کے لئے کویتیسا سے کن الادو کے مقام کی طرف روانہ ہوا۔

دراصل ابتداء میں امریکیوں کا یہی دعویٰ تھا کہ وہ فلپائن کو آزادی دلانے آئے ہیں۔ لیکن جلد ہی ثابت ہو گیا کہ وہ اپنے سامراجی مقاصد حاصل کرنے کے لئے آزادی پر قبضہ کرنے آئے تھے اگرچہ امریکہ نے پیس معاہدہ پر دستخط کئے تھے۔ لیکن وہ جلد اس سے منحرف ہو گیا دراصل اپنے دوغلے پن کی وجہ سے امریکی واضح طور پر جس خطرناک صورت حال میں اپنے آپ کو پا رہے تھے اس سے نکلنے کے لئے وہ وقت کو ٹال رہے تھے چونکہ وہ دونوں مقامات یعنی منڈاناؤ اور سولو میں بیک وقت دو محاذ کھولنے کے لئے اپنے فوجی قوت نہیں رکھتے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً مکارانہ معاہدوں کا سہارا بھی لیا۔ القصہ کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا فلپائن میں آنا اور بعد میں جنوب میں اس کی موجودگی اور قیام دراصل مورو عوام کی آزادی اور اقتدار پر براہ راست حملہ تھا چونکہ مورو عوام نے امریکیوں کو کسی بھی اعتبار سے اسپینیوں سے مختلف نہیں سمجھا تھا بلکہ ان کے نزدیک دونوں ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے تھے یہ دونوں قوتیں توسیع پسندی اور عیسائیت پھیلانے میں یکساں عزائم رکھتی تھیں۔

لہٰذا وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مورو عوام اس صورتحال کو بڑی سنجیدگی سے محسوس کرنے لگے اور امریکیوں نے بھی یہ اندازہ کر لیا تھا کہ وہ مسلح مجاہدین کے گھیرے میں بری طرح پھنس چکے ہیں مورخین اس زمانے کو امریکہ کی توسیع پسندی کے لئے سخت ترین قرار دیتے ہیں انہوں نے مورو عوام کی بہادری اور عزم و استقامت کی تعریف کی ہے جو اپنے وطن اور اپنے عوام اور سب سے بڑھ کر عیسائیت کے خلاف اسلام کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہر چند کہ یہ ایک لمبی اور انتہائی دل خراش داستان ہے کہ ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۲۶ تک مورو عوام امریکیوں کے خلاف ہر محاذ پر کس کس طرح برسر پیکار رہے اور اس راہ میں کتنی مالی اور جانی قربانیاں دیں گو کہ اس دور میں کئی ہیرو سامنے آئے جنہوں نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور لاکھوں فرزندان وطن نے جام شہادت نوش فرمائی جن

فلپائنی حکومت
۷۶ء کے تریپولی معاہدہ
کے خلاف
اپنی ہٹ دھرمیوں
پر
ڈٹی ہوئی ہے۔

کا یہاں تفصیلاً ذکر محال ہے تاہم جون ۱۹۲۶ء میں ایک اور بغاوت رونما ہوئی جو حاجی عبدالحامد بونگا برنگ نے شروع کی تھی امریکیوں کے خلاف مسلح جدوجہد کا یہ سلسلہ کئی برس تک جاری رہا یہ جنگ زیادہ تر لیناؤ جھیل کے ارد گرد لڑی گئی یہاں مورو عوام نے بے شمار مدافعتی قلعے تعمیر کئے تھے تاریخ میں اس بغاوت کو قلعوں کی جنگ سے موسوم کیا گیا ہے اس جنگ کی وجوہات احتجاجی خطرے کے مضمون میں بیان کی گئی ہے جو مختصراً یہ ہے۔

(۱) مورو دوسرے درجے کے شہری بن چکے ہیں۔

(۲) جب فلپائنیوں کو آزادی دی جائے تو مورو صوبہ کو الگ کر دیا جائے (۳) مورو صوبے میں زمینوں کے حصول کو موروں کے لئے مختص کر دیا جائے۔ (۴) اسلام کی کسی صورت میں تخفیف نہ کی جائے،، لیکن ماضی میں کی گئی بہت سی اپیلوں کی طرح اس اپیل کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا حتیٰ کہ بقول ان کے وحشی مورو عوام کو سبق دینے کی سرگرمیاں اور بھی تیز تر کر دیں اور افسوس ہے کہ مورو عوام اپنی اندرونی کمزوریوں اور سیاسی کشمکش کی وجہ سے دشمن کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہے جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مسلح مدافعت علاقائی بنیادوں پر کی گئی تھی اور ان کے پاس کوئی مرکزی منصوبہ نہ تھا جس کے ذریعے ان مختلف گروہوں کو متحد کیا جاتا دراصل مورو عوام کی متحدہ قوت سلطان قدرت کے عہد ہی میں ایک قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ لہٰذا ان کو متحد کرنے کی بے شمار کوششیں کی گئیں مگر سب ناکام رہیں۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس دور کے لیڈر یا تو انتہائی بدقسمت تھے یا ضروری قابلیت و صلاحیت سے عاری تھے نیز ان میں واضح طور پر اس نظریے کا فقدان بھی تھا جو اس

طرف ہو اور جنوبی علاقے کے شہریوں کے مسائل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حکومت نے نو آباد کاروں کی اس طرح حوصلہ افزائی کی کہ وہ لوگوں کی زمین زبردستی ہتھیانے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے علاوہ ازیں کامن ویلتھ ایکٹ (۳) کے ذریعے مورو عوام کی جدی زمینوں کو سرکاری ملکیت قرار دے کر بحق سرکار ضبط کر لیا گیا اور اس طرح انہیں زمین کی ملکیت سے یکسر محروم کر دیا گیا بہر حال جیسا کہ پہلے بھی اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ مورو عوام اپنے قدیم لیڈروں کی پست سوچ اور بیانات بازی سے جب اکتا گئے تو انہوں نے موثر انداز میں اپنی جنگ لڑنے کے لئے کمریں باندھیں اور اس صورت حال نے جس طبقے کو بہت زیادہ متاثر اور متحرک کیا وہ طلباء اور دانشور تھے دراصل یہ لوگ چونکہ عوام کے جذبات و احساسات کو بخوبی سمجھتے تھے اور انہیں یقین ہو چکا تھا کہ حکومت کی طرف سے بہتر برتاؤ کی امیدیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہیں لہٰذا انہوں نے منیلا سے آزادی کا مصمم ارادہ کر لیا اور سرگرم طلباء اس جنگ میں ہراول دستہ بن کر سامنے آئے انہی میں ایک ممتاز شخصیت سلامت ہاشم کی تھی جن کو جنگ آزادی میں شریک نوجوان قومی محاذ آزادی کا چیئرمین تصور کرنے لگے جبکہ اسی دوران دوسری جانب دانشوروں اور طلباء کا ایک دوسرا گروپ منیلا میں مشرقی وسطیٰ کے حامیوں کی تعداد بڑھانے کا کام کرتا رہا اس گروپ نے حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس اہم مسئلے کے حل میں مناسب مدد دے ان میں بہت سے متحرک اور سرگرم طلباء جو اپنے زمانہ طالب علمی میں بڑا فعال کردار ادا کرتے رہے، وہ بھی شامل ہو چکے تھے لہٰذا انہوں نے عملی زندگی میں بھی اپنے بلند مقاصد کی کھل کر وکالت کی۔ اور اس راہ میں تاریخ کی بے مثال قربانیاں دیں تاہم مورو قومی محاذ آزادی کی تشکیل کے بارے میں صحیح تاریخی حقائق جاننے کے لئے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اس کے بانی دراصل مشرقی وسطیٰ کے طالب علم تھے جن کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آزادی کے حصول کے لئے ایک باقاعدہ گروپ بنایا جائے لہٰذا یہی گروپ اب M.N.L.F کے نام سے موسوم ہے جس کے قیام میں سلامت ہاشم سرفہرست تھا کہا جاتا ہے کہ اس مسلح گروپ کا باقاعدہ پہلا تربیت یافتہ دستہ نوے کے نام سے موسوم تھا اور ان لوگوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی تحریک کو جدید طرز پر چلائیں گے مثلاً جیسے کہ دیگر اقوام اور خاص کر کے تنظیم آزادی فلسطین اور الجزائر چلا رہی تھیں لہٰذا اس سلسلہ میں انہوں نے وسیع پیمانے پر جدید لٹریچر کے ذریعے مورو عوام کو بیدار کیا جس کے نتیجہ میں قومی محاذ آزادی کی سرگرمیوں میں مورو حریت پسندوں نے جس دوامی جنگ کا آغاز کیا اس کی وسعت و استحکام نے فلپائن حکومت اور اس کے اتحادیوں اور حامیوں کو حیران کر دیا چونکہ اب مورو حریت پسندوں نے مہلک ہتھیاروں کے سامنے بے بس ہو جانے کے بجائے بڑے پیمانے پر منہ توڑ جواب دیا اور جنگ آزادی کی جدید طرز پر ابتداء کر دی تھی جس نے دشمن کو بے بس کر دیا تھا۔

غرض کہ بے شمار چھوٹے بڑے معرکے سر کرنے کے بعد محاذ آزادی کے جیالوں نے ایک ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کیا اور اس سے یہ اعلان نشر کیا گیا جس میں مورو عوام کو مسلح ہو کر جنگ آزادی میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی اور اس طرح عوام کو جو کچھ بھی میسر آیا وہ لے کر میدان کارزار میں کود گئے۔ اور یہ جنگ محلوں سے نکل کر گلی کوچوں میں شروع ہو گئی جس کی وجہ سے دشمن کو بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا بلکہ ۱۹۷۵ء تک تو قومی محاذ آزادی نے دشمن سے بہت سے علاقے چھین لئے اور وہاں نئے سیاسی ادارے قائم کئے اور ان علاقوں کے لوگوں نے بلاتفریق رنگ نسل و مذہب انقلابیوں سے بھرپور تعاون کیا اور منیلا حکومت کا کوئی

بھی سامراجی ہتھکنڈہ کارگر ثابت نہ ہونے دیا جس کی وجہ سے حکومت کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا چونکہ جنگ کی شدت کا یہ عالم تھا کہ منڈاناؤ اور سولو کا پورا علاقہ مکمل طور پر جل رہا تھا اس ضمن میں جنوبی فلپائن کے ہفت روزہ منڈاناؤ ٹوڈے کو انٹرویو دیتے ہوئے وزیر دفاع کارمیلو باربیرو نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ فوجی اقدامات پر حکومت کو روزانہ پندرہ ملین ڈالر خرچ کرنے پڑ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت ہر روز ہزاروں جانوں سے کھیل رہی ہے لیکن بدقسمتی سے ۱۹۷۷ء کے بعد کی صورت حال نے ان منافقوں موقعہ پرستوں متلون مزاجوں جعلی انقلابیوں اور معاشرے کے گندے اور بیکار لوگوں کو آخر کار یہ احساس و شعور دلایا کہ انقلاب پھولوں کی سیج نہیں اور نہ ہی ذاتی مفادات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ہے۔ لہٰذا محبان وطن کی صفوں میں ان کی گنجائش نہ رہی تو وہ دشمن کی صفوں میں جا ملے جہاں ان کے لئے جسمانی تعیشات اور دنیاوی راحتیں دامن پھیلائے ہوئے تھیں جبکہ دوسری جانب نور مسوری جس کا شمار قومی محاذ آزادی کے بانیوں میں ہوتا تھا اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے ہوئے تھے وہ دوسروں کے خیالات سننے اور کسی دلیل پہ کان دھرنے کو ہرگز تیار نہ تھے بلکہ سنگ خارا کی طرح سخت مزاج ہو گئے تھے مذاکرات کرنے اور رائے طلب کرنے کے بجائے ہر چیز کا جواب بڑی حقارت اور نفرت سے دینے لگے لہٰذا صورت حال کافی حد تک نازک رخ اختیار کر چکی تھی کہ اس موقع پر سلامت ہاشم نے پھر قیادت سنبھالنے کا فیصلہ کیا نتیجتاً نور مسوری نے ناراض ہو کر محاذ سے علیحدگی کے بعد اپنا الگ گروپ تشکیل دے دیا جس کی وجہ سے مورو عوام اصل راستے سے ہٹ کر آپس میں دست و گریباں ہو گئے تاہم بہت کچھ کھو دینے کے بعد ان میں اتحاد قائم ہو گیا تھا۔

القصہ کہ جنوبی فلپائن میں خون ریزی اور قتل عام کے خلاف ۱۹۷۶ء میں کوالالمپور کانفرنس میں ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں اس نزاع کے سیاسی حل کا مطالبہ کیا گیا تھا کانفرنس کے شرکاء نے اس سلسلہ میں فلپائنی حکومت اور مورو محاذ آزادی کے نمائندوں سے رابطہ قائم کیا جس کے نتیجہ میں دسمبر ۱۹۷۶ء میں تریپولی کے مقام پر باقاعدہ ایک معاہدہ معرض وجود میں آیا لیکن باوجود اس کے منیلا حکومت نے اس معاہدہ کی کوئی پرواہ نہ کی اور وہ اپنی ہٹ دھرمیوں پر ڈٹی ہوئی ہے

ہر چند کہ اس بات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ منڈاناؤ اور سولو کے جزائر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن اسپین امریکہ اور بعد میں منیلا حکومت کی حکمت عملیوں نے مسلمانوں کی ایسی اکثریت کو بتدریج اقلیت میں تبدیل کر دیا ہے۔

بہر حال اس بدقسمت خطہ کے لوگ عرصہ صدیوں سے ظلم و جبر کی چکی میں پس رہے ہیں انہوں نے غیر ملکی حکمرانوں کے تسلط کو ختم کرنے اور اپنی گردنوں سے غلامی کا جوا اتارنے کے لئے مورو قومی محاذ آزادی کے جھنڈے تلے جدوجہد آزادی شروع کر رکھی ہے اسی دوران میں وہ فتح و شکست کے مراحل سے گزرتے رہے حتیٰ کہ تریپولی معاہدہ میں یہ طے پایا تھا کہ مورو عوام کو حق خود ارادیت دیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود آج تک اس پر عمل نہ ہوا۔ اور جنگ ہنوز جاری ہے۔

ہزاروں عشق میں اے حضرت دل رنج و غم پہنچے
بڑا افسوس اپنے مقصد کو نہ تم پہنچے نہ ہم پہنچے!

# کھانا کھانے اور پانی پینے کے آداب

## طبی تحقیق کے مطابق جو کھانا سکون سے کھایا جائے وہ جلد ہضم ہوتا ہے

ہاتھ دھو کر
نہ ہاتھ پونچھ کر
جسم کے کپڑے سے مل کر
خشک کرنا
سنت ہے۔

تابندہ لاڈری

# قومی دن تاریخ کا حوالہ ہوتے ہیں

## ٹی وی نے ۲۰ مارچ کو ہی یوم پاکستان ثابت کرنے کی کوشش کی

یوم پاکستان کی گولڈن جوبلی کی تقاریب کا سلسلہ جو بڑے زور و شور سے جاری تھا بالآخر ۲۳ مارچ کے بعد اختتام کو پہنچا۔ یہ اور بات ہے کہ یوم آزادی کی طرح اب یوم پاکستان بھی دو مختلف تاریخوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ قومی اہمیت کے دن تاریخ کا حوالہ اور حصہ ہوتے ہیں اور انہیں اسی دن منانا چاہئے لیکن اب یہ رسم پڑی ہے کہ جب جس کا دل چاہے اپنی مرضی سے کسی بھی دن کو منا لیتا ہے۔ ۱۴ اگست کے سلسلے میں

ماضی کو بھی لے ڈ میں
شو بزنس کے
لوگوں کو
کمال حاصل ہے

بھی دو دن رکھا گیا تھا جس پر مختلف ذمہ دار حلقوں کی جانب سے بہت سے اعتراضات بھی ہوئے تھے۔ گمان تھا کہ آئندہ شاید اس قسم کی حماقت سے گریز کیا جائے گا۔ لیکن یوم پاکستان کو اس سے پہلے یعنی ۲۰ مارچ کو منا کر یہ ثابت کیا گیا کہ حماقتوں کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔ پتہ نہیں ہم اپنے بچوں کو یہ کس طرح بتائیں گے کہ کون سی تاریخ اور کون سا دن اصل میں قومی اہمیت کا ہے۔ جب حکومتی سطح پر ایسے اقدام ہوں گے تو پھر کسی دوسرے شکوہ کا جواز بھلا کہاں رہ جاتا ہے۔ بات صرف جلسہ ہوتی تو بھی درگزر کر لی جاتی لیکن ۲۰ مارچ کو عام تعطیل کا اعلان کر کے ۲۳ مارچ کی اہمیت کو کم کر دیا گیا۔ کاش کوئی [illegible] ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل کرے کہ وہ کوئی ایک آدھ مشورہ عقلمندی سے بھی دے سکے۔ ٹیلی وژن نے [illegible] ۲۰ مارچ کو ہی یوم پاکستان ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس میں اس کا قصور بھی کیا ہے۔ یہ سرکاری ادارہ ہے جناب جو سرکار چاہے وہ اس سے روگردانی کیسے کر سکتا ہے۔

ٹیلی وژن کی موجودہ سہ ماہی ختم ہو رہی ہے۔ بہت سے پرانے پروگراموں کی جگہ اب نئے پروگرام لیں گے۔ بلکہ کچھ نئے پروگراموں کا سلسلہ تو شروع بھی ہو گیا ہے جس میں ایک خواتین کا اسٹیج شو "ساتھ ساتھ" ہے۔ جس کی کمپیئر مہتاب راشدی ہیں اور پروڈیوسر سلطانہ صدیقی ہیں۔ اس پروگرام کا مقصد ظاہر ہے یہ ہی ہو گا کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں جو خواتین نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کر رہی ہیں ان کو سامنے لا کر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس کے پہلے پروگرام میں صحافی خواتین کو مدعو کیا گیا۔ فرہاد زیدی اس کے اکلوتے مرد شریک تھے۔ جو گفتگو اس پروگرام میں ہوئی اور جو آن ایئر آئی اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ "قینچی" نہ صرف بہت چلی ہے بلکہ بہت بے ڈھنگے طریقہ سے چلی ہے۔ اسی لئے تو ادھورے جوابات سننے کو ملے۔ مہتاب بھی کچھ اپنی فارم میں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ شرکاء میں کچھ تو واقعی صحافی خواتین تھیں کہ جو اپنی ذاتی صلاحیتوں کے بل بوتے پر آگے آئی ہیں لیکن کچھ ایسی بھی تھیں کہ جو صرف ورثے میں ملنے والی صحافت پر نازاں تھیں اس لئے ان کی گفتگو میں بھی کچا پن تھا۔ عامل صحافی اور اخبار کے مالک ہونے میں بڑا فرق ہے۔ اسی طرح مسائل کا فرق بھی صاف ظاہر ہے۔ کوشش اس پروگرام میں یہی کرنا چاہئے کہ صرف ایسی خواتین کو سامنے لایا جائے جو ذاتی محنت اور اپنے بل بوتے اور اپنی صلاحیتوں سے ہی خود کو منوانے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ تب ہی اس پروگرام کی افادیت ظاہر ہو گی۔ ورنہ یہ صرف "انجمن ستائش باہمی" کی تصویر بن کر رہ جائے گا۔

⁂

معروف فنکار طلعت حسین ہندوستانی فلم "سوتن کی بیٹی" میں کام کرنے کی حامی دل و کمٹ کر چکے ہیں۔ محمد علی اور زیبا کے مقابلہ میں طلعت حسین کو بھارتی فلم میں خاصا پسند کیا گیا ہے۔ اس مقبولیت نے طلعت حسین کی طبیعت میں خاصی انکساری پیدا کر دی ہے۔ شہرت کی بلندی پر پہنچنے کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ فنکار ہمیشہ طالب علم رہتا ہے۔ اور وہ سیکھنے کے عمل سے گزرتا رہتا ہے۔ بعض اوقات چھوٹے فنکار کی پرفارمنس سے بھی بہت کچھ سیکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اچھا فنکار وہ ہوتا ہے جو کردار کے چھوٹے بڑے ہونے کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ اسکرپٹ پر عبور حاصل کرتا ہے اور اپنے کردار میں ڈوب جاتا ہے۔ طلعت حسین کے خیالات قابل تعریف ہیں کہ وہ چھوٹے فنکاروں کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ہر بڑا فنکار کبھی نہ کبھی چھوٹا فنکار ضرور رہ چکا ہوتا ہے۔ بس بات صرف اتنی ہے کہ آدمی اپنا ماضی کبھی نہ بھولے۔ ورنہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ کسی فنکار کو جب شہرت مل جاتی ہے تو اس کے قدم زمین پر نہیں ٹکتے اور وہ اپنے جونیئر فنکاروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے۔

عمر شریف نے
کراچی کے
تماشائیوں کو
غیر سنجیدہ قرار دے دیا

آج کل ٹیلی وژن سے ایک نجی ادارہ کی تیار کردہ سیریل "نسل" ٹیلی کاسٹ ہو رہی ہے جو ناظرین میں پسند کی جا رہی ہے۔ ٹی وی کی مشہور اداکارہ سکینہ سموں بھی اس میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پرائیویٹ پروڈکشنز کی حوصلہ افزائی کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس طرح ایک تو مقابلہ کا رجحان بڑھتا ہے دوسرے ناظرین بھی یکسانیت سے چھٹکارہ حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ اب لوگ روایتی چہرے اور روایتی کہانیاں دیکھ دیکھ کر بور ہو چکے ہیں۔ یوں بھی جب ٹی وی سے باہر کا کوئی شخص کسی پروگرام کو تیار کرتا ہے تو وہ یہی کوشش کرتا ہے کہ پروگرام زیادہ سے زیادہ معیاری ہو۔ تب ہی ٹی وی

گے نہ دے گا۔ سکینہ کی بات ہے تو درست لیکن پھر اُن بے شمار ٹی وی پروڈیوسروں کا کیا بنے گا جو مہینوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔

———— ⁂ ————

حمید کاشمیری کی سیریل "انگریز" بھی ناظرین میں خصوصاً خواتین میں بہت زیادہ پسند کیا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ اس سیریل میں جس مسئلہ کو پیش کیا جا رہا ہے اس کا خواتین سے ہی براہ راست تعلق ہے۔ کاظم پاشا کو بانگلوں کے سلسلے میں جو مایوسی ہوئی تھی "انگریز" اُن کا حوصلہ بڑھانے میں خاصی معاون ثابت ہو رہی ہے۔ ثابت یہ ہوا کہ سیریل کی طوالت کامیابی کی ضامن نہیں ہوتی۔ بلکہ اچھی کہانی، اچھے پلاٹ اور بہتر پروڈکشن کے سبب مقبولیت حاصل کر سکتی ہے۔

———— ⁂ ————

آج کل اسلام آباد سنٹر پر تیار ہونے والی نئی سیریل "تان سین" کا بھی بہت چرچا ہے جس کی کہانی حسینہ معین نے تحریر کی ہے اور جس میں زیبا بختیار مرکزی کردار ادا کر رہی ہیں اس کے پروڈیوسر خواجہ نجم الحسن ہیں۔ "تان سین" تاریخی کردار ہے۔ ہمارے ہاں اکثر تاریخ کے حوالے سے بنائے جانے والے پروگراموں میں تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن حسینہ معین کا نام دیکھتے ہوئے امید کی جا سکتی ہے کہ اس سیریل میں ایسا نہیں ہوگا۔ زیبا بختیار جب "حنا" کر چکی ہوئی ہیں ٹیلی ویژن سے غائب ہیں اس لحاظ سے بھی ناظرین کے لئے یہ سیریل دلچسپی کا باعث ہوگی کہ اس میں وہ ایک بار پھر زیبا بختیار کو دیکھ سکیں گے۔

———— ⁂ ————

"آفرین بیگ" نے بہت کم مدت میں مقبولیت حاصل کی تھی۔ پھر وہ ٹی وی سے غائب ہو گئیں۔ پھر کچھ عرصہ قبل وہ دوبارہ اسکرین پر ڈراموں میں نظر آئیں۔ اب سُنا یہ ہے کہ وہ شو بزنس کی دنیا کو خیرباد کہہ چکی ہیں۔ کراچی سنٹر پر ویسے ہی خواتین فن کاراؤں کا کال ہے۔ ایسے میں آفرین کا بھی شو بزنس کو خیرباد کہنا غور طلب ہے۔

———— ⁂ ————

فردوس جمال فنکار اچھے ہیں لیکن اکثر بلا ضرورت اور غلط بولتے ہیں گذشتہ دنوں بھی انہوں نے کراچی کے اسٹیج ڈراموں کے بارے میں ایک بیان داغ دیا کہ کراچی کے اسٹیج ڈراموں میں اسکرپٹ نہیں ہوتا جس پر عمر شریف نے خاصی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا کہ اگر ایسا ہوتا ہے تو فردوس کیوں بھاگ بھاگ کر کراچی کے ڈراموں میں کام کرنے کے لئے آتے ہیں۔ بات بھی درست ہے۔ آپ جناب خود کریں پھر اس پر اعتراض کریں گے تو ایسے ہی جواب سننے کو ملیں گے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بولنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے کہ کیا کہہ رہے ہیں اور کس کو کہہ رہے ہیں۔

———— ⁂ ————

عمر شریف آج کل لاہور میں اسٹیج پر کام کر رہے ہیں جہاں انہوں نے فرمایا لاہور میں لوگ بڑا تعاون کرتے ہیں۔ وہ تھوڑا سنجیدہ کام بھی برداشت کر لیتے ہیں یعنی مزاح کا عنصر کچھ کم ہو تو بھی کام چل جاتا ہے لیکن کراچی میں ایسا ممکن نہیں وہاں لوگ "مار دھاڑ" ڈرامہ پسند نہیں کرتے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عمر شریف نے کراچی کے تماشائیوں کو غیر سنجیدہ قرار دے دیا ہے۔ اب دیکھئے عمر شریف کے اس بیان پر انہیں کون اور کب جواب دیتا ہے۔

———— ⁂ ————

تمسہ کنول ماضی کی مقبول گلوکارہ تھیں پھر شادی کے بعد انہوں نے گلوکاری کو خیرباد کہہ دیا لیکن اب پھر وہ گلوکاری کے میدان میں آ گئی ہیں۔ انہوں نے لوگوں سے درخواست کی ہے کہ وہ ان کی نجی زندگی کے بارے میں قیاس آرائیاں نہ کریں ویسے یہ بات ہے بھی درست کیونکہ ہر شخص کی ذاتی زندگی ہوتی ہے۔ اس کے روشن اور تاریک پہلو بھی ہوتے ہیں جو وہ اپنی ذات تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہے۔ فن کار حساس ہوتا ہے اس لئے منفی خیال آرائیاں اس کے لئے تکلیف کا سبب بنتی ہیں اس لئے عوام کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

———— ⁂ ————

ٹیلی ویژن نے ایک کام بہت اچھا کیا ہے اور وہ یہ کہ انگریزی معلوماتی فلموں کو اردو ترجمہ کے ساتھ دکھانا شروع کیا ہے۔ پاکستان میں خواندگی کا جو تناسب ہے اس سے سب ہی واقف ہیں۔ اس لحاظ سے انگریزی زبان کے جاننے والے بھی بہت کم ہیں۔ اردو ترجمہ کے ساتھ دکھائی جانے والی معلوماتی فلمیں اب تمام ناظرین کو با آسانی معلومات فراہم کرتی ہیں۔ یہ فلمیں بہت ذوق و شوق سے دیکھی جاتی ہیں۔

———— ⁂ ————

محنت کشوں کے گیتوں پر مبنی موسیقی کا پروگرام "لہو ترنگ" اب ختم ہو گیا ہے۔ اس پروگرام کو رفعت ہمایوں نے بڑی کامیابی سے پیش کیا۔ یہ اُن کا پہلا پروگرام تھا جو قومی نشریاتی رابطہ پر ٹیلی کاسٹ ہوا اور بے حد مقبولیت حاصل کی۔ ٹیلی ویژن پر بہت سے ایسے نوجوان پروڈیوسرز موجود ہیں جنہیں اگر موقع دیا جائے تو وہ بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن نامعلوم کیوں بیشتر پروڈیوسروں کی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا جس کے نتیجہ میں ناظرین یکساں نوعیت اور انداز کے پروگرام دیکھ دیکھ کر بور ہوتے رہتے ہیں۔

———— ⁂ ————

پاکستانی فلم انڈسٹری روز بروز زوال پذیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل ٹی وی کے فنکار زیادہ مشہور ہوتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے حوالے سے بھی بیشتر فنکار آج فلم

باقی صـ ۵۰ پر

مشرقی بیروت کے علاقہ میں عیسائی بچے پلاسٹک کی رائفلوں سے وار گیم کھیل رہے ہیں جبکہ لبنانی فوج کے دو سپاہی ان کی حرکتوں کا دلچسپی سے نظارہ کر رہے ہیں۔ یہ تصویر بیروت میں پائے جانے والے جنگی ہسٹریا کی کتنی صحیح عکاسی کرتی ہے

## فرمان رسول اللہ ﷺ

حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کسی اجنبی مسکین کو اللہ کے نام پر کچھ دینا صدقہ ہے۔ اور اپنی عزیز (ضرورتمند) کو اللہ کے لئے کچھ دینے میں دو پہلو ہیں اور دو طرح کے ثواب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ صدقہ ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ صلہ رحمی ہے۔ جو بجائے خود بڑی نیکی ہے۔
(مشکوٰۃ)

مرسلہ: غلام مصطفیٰ فزاری، ناظم A-T-I، میرپور ماتھیلو۔

## انمول موتی

- بارش بن کر رہو جو ہر چیز پر برستی ہے۔
- ہوا بن کر رہو جو ہر چیز کو راحت اور فرحت پہنچاتی ہے۔
- سورج بن کر رہو جو ہر امیر اور غریب کو روشنی دیتا ہے۔
- چاند بن کر رہو جو ہر انسان کو ٹھنڈک دیتا ہے۔
- پھول بن کر رہو جو ہر چمن میں کھلتا ہے۔
- ہر انسان کو محبت، شفقت اور راحت کا پیغام دو۔
- جب تک زندہ رہو ہر ایک کو راحت پہنچاؤ۔ تاکہ لوگ تمہارے مرنے پر آنسو بہائیں اور تمہارے جینے کے آرزومند رہیں۔
- کیوں نہ ہم اپنی چند روزہ زندگی اور دنیا کو جنت بنالیں تاکہ مرنے کے بعد کم از کم آدھی جنت کی تمنا اور آرزو پوری ہو جائے۔
- انسان کا کردار ایک ایسی مالا ہے جس کی ایک گرہ کھل جانے سے تمام موتی بکھر جاتے ہیں۔

مرسلہ: (اے۔ ادریس احمد)

## محبت

- محبت وطن سے ہو تو ایمان کا حصہ بن جاتی ہے۔
- محبت خدا سے ہو تو بندگی بن جاتی ہے۔
- محبت اولاد سے ہو تو ممتا کا روپ دھار لیتی ہے۔
- محبت والدین سے ہو تو اطاعت بن جاتی ہے۔
- محبت دولت سے ہو تو مرض بن جاتی ہے۔
- محبت شریک حیات سے ہو تو زندگی بن جاتی ہے۔
- محبت اگر عشق کا روپ دھارے تو ابر بن جاتی ہے۔
- محبت دوست سے ہو تو راحت بن جاتی ہے۔
- محبت بے وفا سے ہو تو مصیبت بن جاتی ہے۔
- محبت استاد سے ہو تو روشنی بن جاتی ہے۔

مرسلہ: عامر محمود، غلام محمد آباد، فیصل آباد

## اپنی فکر

★ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں "جب کوئی شخص مرجاتا ہے اور اس کے گھر والے رونا شروع کردیتے ہیں تو ملک الموت اس مکان کے دروازے پر کھڑا ہو کر کہتا ہے" میں نے اس کی روزی نہیں کھائی، یہ اپنی روزی ختم کر چکا تھا۔ مجھے تو اس گھر میں آنا ہے اور بار بار آنا ہے جب تک کہ سب ختم نہ ہو جائیں" حسن بصریؒ فرماتے ہیں "خدا کی قسم اگر گھر والے ملک الموت کو دیکھ لیں اور اس کی باتیں سُن لیں تو مُردے کو بھول کر اپنی فکریں پڑ جائیں"!

مرسلہ: محمد حسن رضا گوندل۔ اسکول محلہ، منڈی بہاؤالدین
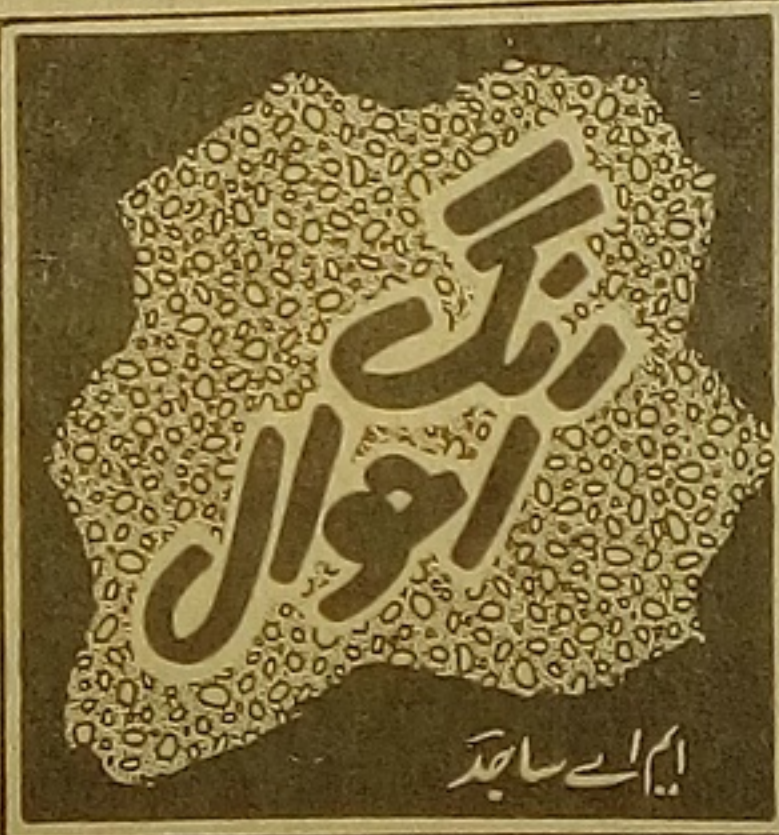
## ماں کی عزت

کسی نے پوچھا۔ ماں کیا ہے، کون ہے؟

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ماں میری طرف سے قیمتی اور نایاب تحفہ ہے۔

(۲) سمندر نے کہا۔ ماں ایک ایسی سیپی ہے جو اولاد کے لاکھوں راز اپنے سینہ میں چھپالیتی ہے۔

(۳) بادل نے کہا۔ ماں ایک دھنک ہے جس میں ہر رنگ نمایاں ہوتا ہے۔

(۴) شاعر نے کہا۔ ماں ایک ایسی غزل ہے جو ہر سننے والے کے سینہ میں اُترتی چلی جاتی ہے۔

(۵) مالی نے کہا۔ ماں گلشن کا وہ پھول ہے جس سے خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۶) اولاد نے کہا۔ ماں ممتا کی انمول داستان ہے جو ہر دل پر قربان ہے۔

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ ماں وہ ہستی ہے جس کے قدموں تلے جنت ہے۔

مرسلہ: ناصر عباسی، بشریف کالونی، لانڈھی، کراچی

## رابطہ الٰہی

اللہ تعالیٰ کا ٹیلیفون نمبر "24434" ہے۔

جی ہاں! شاید آپ مجھے خبطی تصور کریں مگر یہ حقیقت ہے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا فون نمبر ہے۔ اگر آپ بھی چاہیں تو اس نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

وہ اس طرح کے پہلے 2 ملائیے یعنی دو رکعت نماز فرض وقت فجر پڑھیں۔ پھر اس کے بعد 4 ملائیے یعنی چار رکعت نماز فرض وقت ظہر پڑھیں۔ پھر 4 ملائیے یعنی چار رکعت نماز وقت عصر پڑھیے۔ پھر 3 ملائیے۔ یعنی تین رکعت نماز فرض وقت مغرب پڑھیں۔ پھر آخری نمبر ڈائل کریں یعنی چار رکعت فرض نماز وقت عشاء پڑھیئے۔ مگر... ٹھہریئے! اس کے ساتھ کچھ کوڈ ورڈز بھی ہیں۔ یعنی ہر نماز کے ساتھ کچھ سنتیں اور نفلیں اور وتر بھی پڑھتے جائیے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ کا رابطہ ضرور ہوگا اور اپنی گزارشات آپ اس نمبر پر عجز و انکساری سے عرض کردیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی جائز گزارشات پوری ہوں گی گو کہ اس میں کچھ وقت لگے گا۔ کیونکہ عموماً یہ نمبر بزی رہتا ہے لیکن مسلسل ڈائل کرنے سے لائن مل ہی جاتی ہے۔

میرے خیال میں تحریر کے شروع میں میرے لئے جو تصور قائم ہوا تھا وہ اب زائل ہو گیا ہوگا۔ والسلام

مرسلہ: خالد مسعود۔ شاہ فیصل کالونی۔ کراچی

## دلچسپ معلومات

(۱) دنیا کے اونچے پہاڑوں میں ابھی ایک ایسا پہاڑ باقی ہے جہاں انسانی قدم نہیں پہنچے ہیں۔ یہ پہاڑ انڈیا کے شمال میں ریاست سکم پر واقع ہے اور اس کی سب سے اونچی چوٹی کا اندازہ 25526 فٹ لگایا گیا ہے۔

(۲) دنیا میں سب سے بڑی اور لمبی مونچھیں رکھنے والا شخص سویڈن کا باشندہ برگر پلاس ہے جو ۲۱ دسمبر ۱۹۲۴ء کو مالمو میں پیدا ہوا۔ اس کی مونچھوں کا سائز ۱۱۰ انچ ہے۔

مرسلہ: شاہد احمد۔ نیو کراچی

## غزل

مرسلہ: زبیدہ عبدالصمد تبسم، بلدیہ ٹاؤن، کراچی ۵۱

زندگی کا سفر اک روز ختم ہونا ہے
غفلت کی نیند سے جاگ جا ساری عمر سونا ہے

لاکھ چڑھ جا آکاش کی بلندیوں پر
تجھے اسی خاک پر آکر سونا ہے۔

کیوں زندگی سے کھیل رہا ہے اے ناداں
تو خود زندگی کے ہاتھ میں کھلونا ہے

قدم بڑھتے ہی چلے گئے منزل کی جانب
یہ نہ سوچا سفر کہاں ختم ہونا ہے

## بقیہ: منصورہ سازش

کو مدعو کیا تو آپ کی "رنگ سازش" کیوں بھڑکی پروفیسر غفور تو بہت پہلے بے نظیر کے دربار میں بذات خود حاضری دے چکے تھے۔ کیا جماعت اسلامی کی نظر میں ۷۰ کلفٹن پر پروفیسر غفور کی بے نظیر سے ملاقات عین شرعی تھی؟

قومی اتحاد کی تحریک کے دوران نسیم ولی خان اور جماعت اسلامی کے قائدین ایک ہی پلیٹ فارم اور ایک ہی اسٹیج سے تقاریر کرتے رہے لیکن اس پر کسی کو اعتراض نہ ہوا اور نہ ہی آپ کو غیرت آئی۔

کیا اس وقت یہ سب عمل شرعی تھا

جب ملک بھر کی سیاسی جماعتوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی امیدوار کی حیثیت سے الیکشن میں کھڑا کرنے کا فیصلہ کر لیا تو جماعت اسلامی نے اس زمانے کے "مخصوص حالات" کے تحت محترمہ فاطمہ جناح کی انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کیا یہ "مخصوص حالات" اتنے اہم تھے کہ ان کی خاطر "شریعت اسلامی" اور "دینی اصولوں" کی دھجیاں اڑا دی جائیں مولانا مودودی ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے اور محترمہ فاطمہ جناح سے اپنے تعارف کا انتظار کیا کرتے تھے۔

کیا وہ اس وقت شریعت اسلامی کو بھول گئے تھے۔

جماعت اسلامی آئی جے آئی کے ساتھ مل کر اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہے آئی جے آئی کے رہنماؤں سے جب پوچھا جاتا ہے کہ قومی بحران کا حل کیا ہے تو وہ فوراً جواب دیتے ہیں: "قومی حکومت کی تشکیل" یعنی وفاق میں اقتدار میں شرکت، جبکہ یہ اظہر من الشمس ہے کہ پی پی پی کی قائد ایوان محترمہ بے نظیر بھٹو ہیں اور اقتدار میں شرکت بغیر بے نظیر کے ناممکن ہے۔ اگر قومی حکومت تشکیل ہو جائے اور بے نظیر کو اقتدار میں شریک کریں تو کیا یہ شرعی عمل ہو گا اور پھر عورت کی سربراہی جائز ہو جائے گی اور پھر کیا یہ کسی "مخصوص حالات" میں ہو گی؟

## بقیہ: اداریہ

یہی وجہ ہے کہ حالیہ پٹرول، ڈیزل اور کھاد کی قیمتوں کے اضافہ پر ملک بھر کے عوام اور خود پیپلز پارٹی کے ممبران نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے بلکہ پی پی پی کے ممبران نے حکومت کو عوام کے متوقع ردعمل [illegible] انہوں نے عوام میں [illegible]

کی اٹھتی ہوئی لہر سے شاید وزیراعظم کو باخبر کر دیا اسی لئے جزوی طور پر کچھ اضافہ واپس لیا گیا ہے۔ لیکن ہماری نظر میں اضافہ کی جزوی واپسی موثر ثابت نہیں ہو گی بہتر یہی ہے کہ حکومت مکمل اضافہ واپس لے اور دیگر غیر ترقیاتی اخراجات نیز سرکاری اخراجات میں کمی کر کے اس خسارہ کو پورا کرے۔ مصر میں وزیراعظم صدقی کی حکومت آئی ایم ایف کی شرائط ماننے سے ختم ہو چکی ہے۔ اس عالمی مالیاتی ادارے کو تو بس اپنی غرض سے دلچسپی ہے یہ تیسری دنیا کے ممالک کی مشکلات کو خاطر میں نہیں لاتا۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت نے اس ادارے سے قرضے لینے سے انکار کر دیا۔ بھارت ایک بڑا ملک ہے وہاں جمہوری حکومتیں قائم رہی ہیں لیکن پاکستان کی صورت حال مختلف ہے۔ یہاں کی ایک عبوری حکومت کے وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق نے آئی ایم ایف سے ایک ایسا معاہدہ کیا جس کی وجہ سے اب تک بجلی پانی اور پیٹرول کی قیمتوں میں پانچ مرتبہ اضافہ کیا جا چکا ہے مگر اس ادارے کے مطالبات ابھی بھی پورے نہیں ہوئے۔

ہمیں پاکستان کی نازک اقتصادی حالت پچھلی حکومتوں کی غلطیوں اور موجودہ حکومت کی اقتصادی نیز سیاسی مجبوریوں کا علم ہے پھر بھی ہم حکومت سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ایک آدمی کی کمزور قوت خرید کو پیش نظر رکھتے ہوئے موجودہ قیمتوں کے اضافہ کو واپس لے لے یا کم از کم اسی کو اتنا کم کر دے کہ وہ ایک عام آدمی کی قوت برداشت میں سما سکے۔

## بقیہ: ٹی وی تبصرہ

انڈسٹری تک ہی جانے پہچانے جاتے ہیں۔ انہی میں سے ایک بابرہ شریف بھی ہیں جو ابتدا میں ٹی وی کمرشل میں آیا کرتی تھیں پھر ٹیلی ویژن کے چند ڈراموں میں انہوں نے ثانوی حیثیت کے کردار ادا کئے۔ اس کے بعد بابرہ کا شو بزنس میں کیریئر بنانے میں فلمی دنیا نے اہم کردار ادا کیا۔ شاید اسی زعم میں ایک ٹی وی پروڈیوسر نے بابرہ کو ایک ٹی وی ڈرامہ میں کام کرنے کی گزارش کی جس پر سنا ہے کہ محترمہ نے خاصا برا منایا اور پروڈیوسر کی معلومات میں یہ کہہ کر اضافہ کیا کہ وہ فلم آرٹسٹ ہیں۔ پروڈیوسر نے بھی بہت شائستگی سے بابرہ کو یاد دلایا کہ پہلے تو وہ ٹی وی ہی کی آرٹسٹ ہوا کرتی تھیں۔ اس پر بابرہ نے فرمایا "وہ زمانہ اور تھا"۔ سچ ہے کہ ماضی کو بھولنے میں شو بزنس کے لوگوں کو کمال حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ بھی شو بزنس کے لوگوں کو بہت جلد فراموش کر دیتے ہیں کہ "کبھی کے دن بڑے۔ کبھی کی راتیں"!

## بقیہ: گوجرانوالہ کی ڈائری

صوبائی سیکرٹری اطلاعات غلام شبیر احمد ہاشمی، خازن حاجی جاوید اقبال نے مشترکہ پریس کانفرنس کی جس پر انہوں نے تمام تر ذمہ داری مولانا نیازی پر ڈالی۔ جمعیت علمائے پاکستان فرنٹ ورکرز نے مرکزی دفتر کے سامنے احتجاجی کیمپ لگایا اور سلیم اللہ خان وغیرہ نے پیر سید برکات احمد شاہ کے نام کو استعمال کر کے مذکورہ پانچ عہدیداروں کی بنیادی رکنیت معطل ہونے کی خبریں اخبارات میں چھپوا دیں اور بعد ازاں دفتر پر مسلح ہو کر نظام مصطفےٰ نافذ کرنے والوں نے شام غریباں کا منظر پیش کر دیا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی نے ۲۸ فروری کو منعقدہ مجلس شوریٰ کے اجلاس کو غیر قانونی قرار دے کر چند افراد کو جمع کر کے خود ساختہ صدر اور سیکرٹری جنرل ہونے کا اعلان کر دیا۔ جبکہ دستور کا مطالعہ کیا جائے تو مولانا عبدالستار خان نیازی کا ہر فعل دستور کی دفعہ ۱۵ - ۱۹ اور ۲۰ کے برعکس ہے۔ پیر سید برکات احمد شاہ اس وقت گوشہ نشین ہیں اور یہ طے شدہ بات ہے کہ پیر صاحب جیسے بااصول لوگ اب مولانا نیازی کا ساتھ نہیں دیں گے۔ جمعیت کے ۲۸ فروری اسلام آباد میں منعقدہ اجلاس میں ارکان شوریٰ کی اکثریت نے شرکت کی اور مولانا نورانی پر بھرپور اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے مولانا نیازی کے فیصلے کو مکمل طور پر مسترد کر دیا ہے اور اہلسنت و الجماعت کی کثرت جمعیت کے تقسیم ہونے پر نالاں ہے لیکن یہ بھی ایک تاریخ ہے کہ آج تک مولانا شاہ احمد نورانی کے مد مقابل جو بھی آیا ہے وہ کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔

## بقیہ: مسلمانوں کی تحریک آزادی

آبادی کا میں سے ۸۰ فیصد مسلمان ہیں۔

ازبکستان میں بخارا اور سمرقند کے قدیم شہر شامل ہیں۔ اس کا شمالی علاقہ ریگستان ہے اور جنوب مشرقی خطہ زرخیز وادی ہے ازبک اپنا سلسلہ خان ازبک سے ملاتے ہیں جنہوں نے چودھویں صدی میں لوگوں کو کثرت سے مسلمان کیا تھا۔ روسی مملکت میں پیدا ہونے والی کپاس ۶۶ فیصد ازبکستان میں پیدا ہوتی ہے دوسری بڑی پیداوار چاول ہے۔ ایک کروڑ ۹۹ لاکھ آبادی کا ۸۰ فیصد مسلمان ہیں اور تاشقند اس کا صدر مقام ہے۔

**AHWAL** Weekly Regd NO M-476 APRIL 5 to 11 1990.